دسمبر ۱۹۹۶ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

• دورۂ ایران — مشاہدات و تاثرات

—— ڈاکٹر اسرار احمد

• مذہبی جماعتوں کے باہمی تعاون کے ضمن میں تنظیم اسلامی کی مساعی

—— حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

تنظیم اسلامی پاکستان کے زیر اہتمام

آئندہ سال کے مجوزہ پروگرام

مبتدی/ملتزم رفقاء کے لئے تربیت گاہیں

۱ ۔ ۸ تا ۱۴/ نومبر ۱۹۹۶ء	مبتدی تربیت گاہ	مرکزی دفتر تنظیم اسلامی لاہور
۲ ۔ ۶ تا ۱۲/ دسمبر ۱۹۹۶ء	ملتزم تربیت گاہ	مرکزی دفتر تنظیم اسلامی لاہور
۳ ۔ ۲۷/ دسمبر تا ۲ جنوری ۹۷ء	مبتدی تربیت گاہ	گوجرخان (حلقہ پنجاب شمالی)
۴ ۔ ۲۱ تا ۲۷ فروری ۱۹۹۷ء	مبتدی/ملتزم تربیت گاہ	قرآن اکیڈمی ملتان
۵ ۔ ۱۴ تا ۲۰/ مارچ ۱۹۹۷ء	مبتدی تربیت گاہ	لاہور
۶ ۔ ۹ تا ۱۵/ مئی ۱۹۹۷ء	مبتدی/ملتزم تربیت گاہ	راولپنڈی
۷ ۔ ۶ تا ۱۲/ جون ۱۹۹۷ء	مبتدی تربیت گاہ	حلقہ سرحد
۸ ۔ ۴ تا ۱۰/ جولائی ۱۹۹۷ء	مبتدی/ملتزم تربیت گاہ	قرآن اکیڈمی کراچی
۹ ۔ ۸ تا ۱۴/ اگست ۱۹۹۷ء	مبتدی تربیت گاہ	قرآن اکیڈمی ملتان
۱۰ ۔ ۵ تا ۱۱/ ستمبر ۱۹۹۷ء	مبتدی تربیت گاہ	لاہور
۱۱ ۔ ۱۹ تا ۲۵/ ستمبر ۱۹۹۷ء	ملتزم تربیت گاہ	لاہور

اجلاس توسیعی مجلس عاملہ

- ۴-۵/ جنوری ۹۷ء
- ۱۱/ مارچ ۹۷ء
- ۲۴-۲۵/ مارچ ۹۷ء
- ۱۵/ جولائی ۹۷ء
- ۲ تا ۴/ ستمبر ۹۷ء

اجلاس مرکزی مجلس مشاورت

- ۲۴-۲۵/ نومبر ۹۶ء
- ۱۲-۱۳/ مارچ ۹۷ء
- ۱۶-۱۷/ جولائی ۹۷ء

اجلاس توسیعی مشاورت

- ۱۳-۱۴/ جولائی ۹۷ء

تربیتی مشاورتی اجتماع برائے ملتزم رفقاء

- ۲۱ تا ۲۴/ اپریل ۹۷ء

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد: ۴۵
شمارہ: ۱۱
رجب، شعبان ۱۴۱۷ھ
دسمبر ۱۹۹۶ء
فی شمارہ ۱۰/-
سالانہ زرِ تعاون ۱۰۵/-

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون برائے بیرونی ممالک

- ایران، ترکی، اومان، مسقط، عراق، الجزائر، مصر 10 امریکی ڈالر
- سعودی عرب، کویت، بحرین، عرب امارات
  قطر، بھارت، بنگلہ دیش، یورپ، جاپان 17 امریکی ڈالر
- امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ 22 امریکی ڈالر

ترسیلِ زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36۔کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700۔فون: 03-02-5869501

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔گڑھی شاہو، علامہ اقبال روڈ، لاہور، فون: 6305110

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ **عرض احوال** ۳

حافظ عاکف سعید

☆ **تذکرہ و تبصرہ** ۵

دورۂ ایران۔ مشاہدات و تاثرات — ڈاکٹر اسرار احمد

☆ **رجوع الی القرآن** ۳۶

قرآن حکیم کا بنیادی پیغام اور اس کے چار لوازم

مولانا گوہر رحمٰن

☆ **دعوت و تحریک** ۴۹

مذہبی جماعتوں کے مابین تعاون کے ضمن میں تنظیم اسلامی کی مساعی

حافظ عاکف سعید

☆ **بحث و نظر** ۵۱

مسلمانوں کی ہر حکومت "الجماعت" ہے؟

سید وصی مظہر ندوی

☆ **گوشہ خواتین** ۶۱

مجھے اکثر خیال آتا ہے — طیبہ یاسمین

☆ **روداد اجتماع** ۶۵

تنظیم اسلامی کا اکیسواں سالانہ اجتماع — نعیم اختر عدنان

☆ **اشاریہ میثاق** (جلد ۴۵) ۷۵

مرتب : محبوب الحق عاجز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض احوال

پاکستان کے جنوبی علاقوں میں بسنے والے رفقاء تنظیم کے لئے سالانہ اجتماع حسب پروگرام ۲۲ تا ۲۴ نومبر سکھر شہر میں منعقد ہوا۔ حلقہ سندھ و بلوچستان کے علاوہ حلقہ پنجاب جنوبی کے رفقاء نے بھی اس اجتماع میں شرکت کی۔ اس اجتماع کی مفصل رپورٹ تو قارئین اسی شمارے میں ملاحظہ فرما ہی لیں گے' سطور ذیل میں ہم امیر تنظیم اسلامی کے ان خیالات و افکار کو ہدیہ قارئین کر رہے ہیں جو انہوں نے سکھر میں پریس کانفرنس کے موقع پر صحافیوں کے سامنے بیان کی صورت میں پیش کئے یا ان کے سوالات کے جوابات کی شکل میں ان کا اظہار کیا۔ امیر تنظیم نے اس پریس کانفرنس میں نہ صرف یہ کہ پاکستان کے استحکام کے ضمن میں اپنے مستقل موقف کا اعادہ کیا بلکہ موجودہ سیاسی صورتحال اور ملکی و بین الاقوامی حالات کے بارے میں اپنا نقطہ نظر بھی نہایت جامعیت کے ساتھ پیش کیا۔ گویا حالات حاضرہ کے بارے میں تنظیم اسلامی کا جو موقف ہے اس کا عمدگی کے ساتھ احاطہ اس پریس کانفرنس کے ذریعے ہو جاتا ہے۔ اس پریس کانفرنس کا بھرپور خلاصہ برادرم محترم نعیم اختر عدنان نے جو اس پریس کانفرنس میں شریک تھے' نکات کی صورت میں مرتب کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے!

"○ اس ملک کا اصل مسئلہ رائج الوقت نظام کی تبدیلی ہے۔ میں مروجہ سیاست میں شریک نہیں ہوں بلکہ انقلابی نظریات اور نظام کی تبدیلی کا علمبردار ہوں۔ رائج الوقت نظام کو درست سمجھنے والے اگر انتخابی سیاست میں حصہ لیں تو درست ہے۔ ہماری قومی بقاء کا ایک المیہ یہ ہے کہ ملک کے جواز کی کوئی بنیاد سوائے اسلام کے اور کوئی نہیں۔ لیکن ہم بحیثیت قوم اسلام کی طرف آنے کو تیار نہیں!

○ تحریک پاکستان کی پشت پر دو قومی نظریہ اور ایک مثالی اسلامی ریاست کے قیام کا جذبہ کارفرما تھا۔ استحکام پاکستان کی واحد بنیاد اسلام کے عادلانہ نظام کا حقیقی نفاذ ہے۔

○ پاکستان کا قیام تاریخ اور جغرافیے کے تمام اصولوں کے خلاف مذہب کی بنیاد پر عمل میں آیا۔ قیام پاکستان میں نسلی اور لسانی قومیت کا فیکٹر سرے سے موجود نہیں تھا۔ عرب ممالک نے عرب قومیت کی بنیاد پر آزادی حاصل کی۔ پاکستانی قومیت اب تک وجود میں آئی ہے نہ قیامت تک وجود میں آسکتی ہے' اس لئے کہ ہم نے وطنی قومیت کے خلاف مذہب کی بنیاد پر جنگ لڑی تھی۔

○ اگر ملک کو کو اسلامی ریاست نہ بنایا گیا تو اس کا قائم رہنا ناممکن ہے۔ البتہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی ایک آسامی کے طور پر یہ باقی رہ سکتا ہے۔

○ نعروں والا اسلام اب کار آمد نہیں ہو گا بلکہ ملک میں اسلام کے آفاقی اصولوں کا نفاذ کرنا ہو گا جسے خلافت کا نظام کہا جاتا ہے۔ خلافت کے نظام میں حاکم اور محکوم کی تقسیم کا کوئی تصور نہیں۔ اسلام میں حکمرانوں تک کو نہ تو وی آئی پی درجہ حاصل ہے اور نہ کوئی استحقاق اور خصوصی امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ خلیفہ سے لے کر عام شہری تک قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔

○ قرارداد مقاصد کی منظوری انسانی حاکمیت کے خلاف بغاوت ہے۔ تمام مکاتب فکر کے ۳۱ علماء نے ۲۲ نکات پر مشتمل متفقہ موقف پیش کر دیا تھا۔ مگر مولانا مودودی نے انتخابات میں حصہ لے کر بہت عظیم غلطی کا ارتکاب کیا جس سے نفاذ اسلام کا مطالبہ پارٹی ایشو بن گیا اور اسے پوری قوم کی تائید حاصل نہ رہی۔

○ نیو ورلڈ آرڈر درحقیقت یہودی مالیاتی استعمار ہے۔ ملک کا عدم استحکام اور معاشی بحران دو قومی نظریئے سے انحراف کا نتیجہ ہے۔ پاکستانی قوم آج کئی قومیتوں میں منقسم ہو چکی ہے اور اب پاکستان عملاً آئی ایم ایف کا غلام بن چکا ہے اور عالمی مالیاتی اداروں کے نمائندے "قرق امین" بن کر معین قریشی اور شاہد برکی کی شکل میں ہم پر مسلط کئے جا رہے ہیں۔

○ ان تمام ملکی مسائل کا حل نظام خلافت کے نفاذ میں مضمر ہے۔ اس کا نفاذ اسلامی انقلاب کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔ جان دیئے بغیر دنیا میں کوئی انقلاب نہیں آیا۔

○ بھٹو کی طرح لغاری بھی ایک جاگیردار ہے۔ نظام مصطفیٰ تحریک بھٹو مخالف تحریک تھی۔

○ ملک عالمی اداروں کے ہاتھوں میں گروی رکھ دیا گیا ہے۔

○ پارلیمانی نظام نامعقول نظام ہے، جبکہ صدارتی نظام معقول اور فطرت کے قریب تر ہے۔ نیز صدارتی نظام کے ذریعے ہی جاگیرداروں کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔

○ کافرانہ نظام چاہے صدارتی ہو یا پارلیمانی دونوں کفر ہیں۔

○ پوری عرب دنیا اسرائیل کے سامنے سرنگوں ہو چکی ہے، عراق کی تباہی کے بعد ایران کا گھیراؤ کیا جا رہا ہے۔

○ پاکستان کے معاشرتی نظام میں دراڑیں ڈالنے اور معاشرتی اقدار کو تلپٹ کرنے کے لئے بیجنگ اور قاہرہ کانفرنس کے فیصلوں پر عمل ہو رہا ہے اور پاکستان کی آزادی اور خود مختاری کو شدید خطرات لاحق ہو چکے ہیں۔

○ الیکشن مقررہ مدت کے اندر ہی کرانا چاہئیں اگرچہ احتساب بھی ضروری ہے۔ چند مگرمچھ بھی اگر پکڑ لئے جائیں اور ان سے قومی دولت اگلوا لی جائے تو صورتحال میں بہتری آ سکتی ہے"۔

دورۂ ایران

مشاہدات و تأثّرات

امیر تنظیم اسلامی کا یکم نومبر ۹۶ء کا خطاب جمعہ

مرتّب : محبوب الحق عاجز

خطبہ مسنونہ اور تلاوتِ آیات کے بعد فرمایا :

مجھے آج اپنے "دورۂ ایران کے تأثرات و مشاہدات" کے موضوع پر گفتگو کرنا ہے۔ یہ موضوع جہاں طوالت طلب ہے' وہاں نہایت نازک اور حساس بھی ہے' کیونکہ اس معاملے میں ذرا سا بھی ادھر ادھر ہو جانے سے بہت سے فتنے کھڑے ہو سکتے ہیں۔ اس حوالے سے میں نے حتی الامکان کوشش کی ہے کہ اپنے خیالات کو مرتب کرلوں۔ پھر یہ کہ اس دورے کے تأثرات و مشاہدات کے بیان سے قبل مجھے اس کا کچھ پس منظر بھی بیان کرنا ہے تاکہ پوری بات یکجا اور واضح ہو کر سامنے آجائے۔ وقت محدود ہے' تاہم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ "مَا قَلَّ وَدَلَّ" کی کیفیت عطا فرمادے اور میں اپنے موضوع کو کم وقت میں سمیٹ لوں۔

سب سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ سنی مسئلہ کے بارے میں اپنا ذاتی موقف ترتیب وار نکات کی صورت میں واضح کردوں تاکہ بات سمجھنے میں آسانی رہے۔

پہلا نکتہ : حقیقی فرقے دو ہیں

میں نے بارہا کہا ہے اور اب بھی اس موقف پر قائم ہوں کہ مسلمانوں میں حقیقی فرقے صرف دو ہیں۔ ایک شیعہ اور دوسرا سنی! باقی تقسیمیں بھی اگرچہ موجود ہیں اور ان کے درمیان شاید محاذ آرائی بھی پائی جاتی ہے' تاہم وہ فرقے نہیں بلکہ مختلف

مکاتب فکر' مسالک اور فقہی مذاہب ہیں' جیسے حنفی' مالکی' شافعی' حنبلی اور سلفی وغیرہ۔ اس کے بعد احناف میں دیوبندی اور بریلوی کی ذیلی تقسیم بھی ہے اور ان دنوں کے مابین شدید تلخی اور کشیدگی موجود ہے' لیکن یہ دونوں اصلاً ایک ہی فقہ اور مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں اور دونوں کے بنیادی تصورات تقریباً ایک جیسے ہیں۔ اہل تسنن کی طرح اہل تشیع میں بھی ذیلی تقسیم موجود ہے۔ مثلاً اسماعیلی اور اثنا عشری وغیرہ۔

دوسرا نکتہ : میرا تعلق اہل سنت سے ہے

جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں زور دے کر کہہ رہا ہوں کہ میں سنی مسلمان ہوں اور اہل سنت کی ذیلی تقسیموں سے قطع نظر اپنے نام کے ساتھ "اہل سنت" کا سابقہ برقرار رکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔ فقہی معاملات میں اکثر و بیشتر میرا طرز عمل وہی ہے جو بڑے بڑے مسلم فلاسفہ اور متکلمین کا رہا ہے' جیسے امام رازی نے اپنے انتقال کے وقت کہا تھا : "اموتُ علٰی عقیدۃِ اُمّی" (میں اپنی والدہ کے عقیدہ پر جان دے رہا ہوں) یعنی مختلف کلامی بحثیں' ان کی تفاصیل اور دلائل اپنی جگہ لیکن ان کا بنیادی عقیدہ بقول ان کے وہی تھا جو ان کی والدہ کا تھا۔ بعینہ یہی معاملہ میرا ہے۔ فقہی معاملات میں اکثر و بیشتر میرا طرز عمل وہی ہے جو میرے والدین کا تھا۔ وہ حنفی المسلک تھے (غفراللہ لہم) میں بھی اکثر و بیشتر احناف کی پیروی کرتا ہوں۔

لیکن جن معاملات میں کسی وجہ سے تحقیق و تفتیش کی ضرورت پیش آ جائے تو میں نے ان کے ضمن میں اپنے لئے دو باتیں طے کی ہیں۔

اولاً : یہ کہ اگر کوئی ایسا مسئلہ ہو جس پر اہل سنت کے چاروں مکاتب فکر حنفی' مالکی' شافعی اور حنبلی متفق ہوں تو وہ معاملہ اگرچہ عقلاً میری ذاتی رائے میں نہ آئے تب بھی اس میں تقلید کا پابند ہوں اور ان مسالک سے باہر نکلنے کو جائز نہیں سمجھتا' کیونکہ ایسا تو صرف مجتہد مطلق ہی کر سکتا ہے جبکہ میں تو "مجتہد" ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کرتا۔

ثانیاً : اگر کوئی ایسا معاملہ ہو جس کے متعلق ہمارے مکاتب فکر کے درمیان اختلاف رائے پایا جائے تو اس میں ترجیح کا معاملہ کر لیتا ہوں۔ جدید فقہی اصطلاح میں اسے

"تلفیق بین المذاہب" کہا جاتا ہے۔ اسے اگرچہ بعض لوگ جرم سمجھتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عہد حاضر میں اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

اس اعتبار سے جس موقف پر میں ایران گیا تھا، اسی پر واپس آیا ہوں، میرے موقف میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اگرچہ میرے بعض تاثرات بہت گہرے ہیں اور ان سے میں نے اثر بھی قبول کیا ہے (جن کا تذکرہ آئندہ صفحات میں کیا جائے گا) لیکن ان کا نتیجہ یہ نہیں کہ اہل تشیع کی طرف میرا کوئی میلان ہو گیا ہو یا ان کے ضمن میں میرے سابقہ موقف میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہو۔

جہاں تک تنظیم اسلامی کا تعلق ہے، مجھے اس کے اظہار میں کوئی باک نہیں ہے کہ یہ سنی مسلمانوں کی تنظیم ہے، البتہ یہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور سلفی مسالک کے اختلافات سے بالاتر ہے۔ چنانچہ کوئی بھی مسلمان خواہ وہ کسی بھی مسلک سے تعلق رکھتا ہو، تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کر سکتا ہے۔

تیسرا نکتہ : : من حیث الجماعت اہل تشیّع کی تکفیر جائز نہیں

اہل تشیع کی من حیث الجماعت تکفیر کا میں قائل نہیں ہوں اور نہ ہی میرا ماضی کا کبھی یہ موقف رہا ہے، بلکہ میں انہیں مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ سمجھتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اگرچہ سپاہ صحابہ پاکستان کے بانی مولانا حق نواز جھنگوی مرحوم کے جوش و جذبے اور خلوص و اخلاص کا میں بہت معترف اور قائل رہا ہوں لیکن اہل تشیع کی تکفیر کے بارے میں ان کے موقف سے مجھے کبھی اتفاق نہیں رہا۔ چنانچہ میں نے کبھی ان کے موقف کی تائید و حمایت نہیں کی۔ ان کی وفات کے بعد ایک تعزیتی جلسہ میں تقریر کے لئے مجھے بھی مدعو کیا گیا تھا لیکن میں نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ میں نے جب ان کی زندگی میں ان کے موقف کی تائید نہیں کی تو ان کے انتقال پر اپنی "سیاسی دوکان" چمکانے کے لئے جلسہ میں تقریر کرنا مجھے پسند نہیں ہے۔

جہاں تک انفرادی طور پر کسی شخص واحد کی تکفیر کا سوال ہے تو اس میں بنیادی اصول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی رائے کا قائل ہے جو خلاف اسلام ہے، لیکن وہ

اس کا اظہار نہیں کرتا بلکہ اسے چھپاتا ہے تو اس کی تکفیر بھی نہیں کی جا سکتی۔ البتہ کوئی شخص کسی خلاف اسلام عقیدہ کا قائل ہو، اور اس کا برملا اظہار بھی کرتا ہو تو اسے بلاریب کافر قرار دے کر دائرۂ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔ قادیانیوں کو اگرچہ من حیث الجماعت کافر قرار دیا گیا ہے لیکن ان کا معاملہ اہل تشیع سے بالکل مختلف ہے، اس لئے کہ انہوں نے برملا کہا تھا کہ ہم مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی مانتے ہیں۔

چوتھا نکتہ : شیعہ اور سُنّی مذاہب میں فرق

اب آیئے، اس سوال کا جائزہ لیتے ہیں کہ شیعہ اور سنی مذاہب میں کیا فرق ہے اور یہ فرق کس اعتبار سے ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے جہاں تک ایمانیات ثلاثہ یعنی ایمان باللہ، ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرۃ جیسے بنیادی عقائد کا تعلق ہے، ان میں اہل تشیع اور اہل سنت میں کوئی فرق نہیں ہے، البتہ بعض کلامی بحثوں میں اختلافات ضرور موجود ہیں۔ مثلاً ذات و صفات باری تعالیٰ کا مسئلہ، کہ آیا صفاتِ الٰہی اللہ تعالیٰ کا عین ہیں یا اللہ تعالیٰ سے جدا ہیں؟ بقول اقبال ؎

ہیں صفاتِ ذاتِ حق حق سے جدا یا عینِ ذات؟
امّتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات؟

ذات و صفاتِ الٰہی کا یہ مسئلہ بڑا پیچیدہ اور لاینحل ہے۔ اس حوالے سے ہمارے ہاں تین مکاتب فکر وجود میں آئے ہیں۔ ایک انتہا پر معتزلہ ہیں جن کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے الگ صفات الٰہی کا وجود ہے ہی نہیں، دوسری انتہا پر اشاعرہ ہیں اور درمیان میں ماتریدیہ ہیں۔ احنات زیادہ تر اسی مکتب فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان تینوں مکاتب فکر کے نقطہ نظر میں اختلاف کے باوجود اشاعرہ اور ماتریدیہ نے معتزلہ کو گمراہ تو قرار دیا لیکن کبھی بھی ان کی تکفیر نہیں کی گئی۔ اسی طرح ایمانیات ثلاثہ کے ضمن میں اہل تشیع کے نقطہ نظر میں جزوی یا ثانوی اختلافات کی بنا پر انہیں کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

البتہ جہاں تک اہل تشیع کے "امامتِ معصومہ" کے عقیدہ کا تعلق ہے، وہ میرے نزدیک بالکل بے بنیاد اور سراسر غلط ہے۔ اس لئے کہ میرے نزدیک معصومیت صرف

خاصۂ نبوت و رسالت ہے۔ اب چونکہ نبوت و رسالت کا دروازہ ابدالاباد تک بند ہو چکا ہے اس لئے معصومیت کا سلسلہ بھی ختم ہو چکا ہے۔ چنانچہ حضرات ابوبکر صدیق' عمر فاروق' عثمان غنی اور علی رضوان اللہ علیہم اجمعین اگرچہ انتہائی برگزیدہ اور قابل احترام ہستیاں تھیں' لیکن اس کے باوجود ان میں سے کسی کو بھی "معصومیت" کی صفت سے متصف قرار نہیں دیا جا سکتا' ان سے بھی "اجتہادی" خطائیں ہو سکتی تھیں۔ اس عقیدہ کے حوالے سے تین باتیں قابل غور ہیں :

پہلی بات یہ کہ اگرچہ اہل تشیع امامت معصومہ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں اور اپنے ائمہ کو بعض ایسے خصائص اور صفات سے متصف قرار دیتے ہیں جو صرف نبوت کا خاصہ ہیں' تاہم وہ ائمہ کو نبی کے ہم پلہ نہیں کہتے۔ چنانچہ امامت معصومہ کا تصور بہرحال نبوت سے کم تر درجے کی چیز ہے۔ اس لئے اس بنا پر ان کی تکفیر نہیں کی جا سکتی۔ دیکھئے' قانونی اعتبار سے اصول یہ ہے کہ کسی جرم پر سزا دینے کے لئے اس جرم کی کوئی مقدار معین ہوتی ہے۔ مثلاً اسلام میں چوری کی سزا "قطع ید" ہے' لیکن اس کے لئے وضاحت کی گئی ہے کہ کتنی بڑی چوری پر اس سزا کا اطلاق ہو گا اور کون کون سی چوریاں اس سزا سے مستثنیٰ ہوں گی۔ مثال کے طور پر مشترکہ مال میں سے چوری پر ہاتھ نہیں کٹے گا۔ اگر کوئی شخص سڑک پر مال ڈال دیتا ہے' وہ غیر محفوظ ہے' اگر اسے کوئی شخص اٹھا کر لے جاتا ہے تو اس پر بھی ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا' اس سے کم تر سزا دی جائے گی۔ کچھ اسی طرح کا معاملہ امامت معصومہ کا ہے کہ اس میں نبوت کی کچھ خصوصیات تو یقیناً مانی جاتی ہیں لیکن اسے نبوت تو نہیں مانا جاتا۔ لہٰذا اس سے شدید اختلاف کیا جا سکتا ہے' اسے انتہائی ضلالت و گمراہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس بنا پر کسی کی تکفیر نہیں کی جا سکتی۔

دوسرے یہ کہ امامت معصومہ کا وہ تصور جس کی بنا پر امام کو نبی کا مقام دیا جاتا ہے' وہ صرف "آغاخانیوں" کے ساتھ مخصوص ہے' جن کے امام حاضر پرنس کریم آغاخان ہیں۔ وہ جب پاکستان آتے ہیں تو انہیں ایک صدر مملکت کی طرح پروٹوکول دیا جاتا ہے' انہیں C130 جہاز دیا جاتا ہے جس کے ذریعے وہ لاہور سے گلگت اور چترال جاتے ہیں' انہیں معصوم عن الخطا سمجھا جاتا ہے' احکام شریعت میں کمی بیشی اور حلال و حرام کے بارے میں

انہیں صاحب اختیار تسلیم کیا جاتا ہے اور ان کی ہر بات قابل اتباع سمجھی جاتی ہے۔ امامتِ معصومہ کا یہ عقیدہ تو بلاشبہ بدترین گمراہی ہے' لیکن یہ صرف آغا خانیوں کے ساتھ خاص ہے۔

تیسرے یہ کہ ہمارے ہاں کے اثنا عشری شیعہ اور اہل سنت کے درمیان اس اعتبار سے تھوڑا سا فرق رہ جاتا ہے کہ ان کے پہلے گیارہ امام تو اسلام کے ابتدائی اڑھائی سو برسوں کے دوران آ گئے' لیکن ان کا بارہواں امام معصوم ابھی تک "غائب" ہے۔ گویا وہ ساڑھے بارہ سو برس سے کسی ایسے امام کے بغیر زندگی گزار رہے ہیں جو معصوم عن الخطا ہو' جس کا حکم ماننا لازم ہو' جس کو مامور من اللہ سمجھا جائے' اور جو قرآن کی تشریح و توضیح کر سکے۔ چنانچہ اب ان کے لئے صرف ایک ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے کہ وہ اجتہاد کریں۔ یہ اجتہاد ہمارے اور ان کے مابین مشترک ہے۔ ہم بھی کتاب و سنت سے اجتہاد کریں گے اور وہ بھی کتاب و سنت سے اجتہاد کریں گے۔ البتہ ان کے سنت کے ذرائع (Sources) ہم سے مختلف ہے۔

اجتہاد کے ضمن میں اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا جانا چاہئے کہ اجتہاد کے ادارے (Institution) کو فی الواقع صرف اہل تشیع نے زندہ رکھا ہے۔ اہل سنت نے تو عرصہ دراز سے اپنے اوپر اس کے دروازے بند کر رکھے ہیں۔

پانچواں نکتہ : مہدی کے بارے میں دونوں فرقوں کا عقیدہ

جہاں تک "الامام المہدی" کی شخصیت کا تعلق ہے' اس پر اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کا اس اعتبار سے اتفاق ہے کہ قیامت سے قبل ایک بڑی شخصیت ظاہر ہو گی۔ البتہ اس بارے میں ہمارے اور اہل تشیع کے نقطہ نظر میں یہ فرق ہے کہ ہم "مہدی" کو مجدد مانتے ہیں' میرے نزدیک وہ آخری اور کامل مجدد ہوں گے' جبکہ اہل تشیع سمجھتے ہیں کہ یہ وہ بارہ سو برس سے روپوش رہنے والے "امام غائب" ہیں' جو ظاہر ہوں گے۔ گویا وہ انہیں معصوم بھی سمجھتے ہیں لیکن ہم معصوم نہیں سمجھتے۔

امام مہدی کی آمد کے حوالے سے ایک واقعہ لطیفہ کے طور پر ملاحظہ کیجئے۔ میں نے

ایک شیعہ عالم دین سے پوچھا کہ اگر آپ کے عقیدے کے مطابق وہی امام غائب حاضر ہو جائیں اور دعویٰ کریں کہ میں مہدی ہوں تو کیا سارے شیعہ انہیں تسلیم کر لیں گے؟ انہوں نے ہنس کر کہا: "نہیں! بہت سے یہ کہہ دیں گے کہ ہمیں تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے"۔ (گویا "امام غائب" کے نام سے اپنی دوکان چمکانے کی بات اور ہے اور ان کے "ظہور" پر انہیں فی الواقع مان لینا دوسری بات ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل یہودی حضورؐ کی آمد کے منتظر تھے لیکن چونکہ آپؐ پر ایمان لانے سے ان کی چودھراہٹیں اور قیادتیں داؤ پر لگ رہی تھیں، اس لئے ایمان نہیں لائے۔)

اہل تشیع اور اہل سنت میں یہ بات بھی مشترک ہے کہ مہدی حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہوں گے۔ پھر یہ کہ عرب کے مقدس شہر مکہ مکرمہ میں ان کا ظہور ہوگا۔ گویا عملی اعتبار سے امامت معصومہ کے بارے میں کوئی بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔ عقیدے کے اعتبار سے دونوں فرقوں میں اگرچہ کچھ فرق ضرور ہے تاہم بالفعل وہ بھی نظر نہیں آتا۔

اس ضمن میں یہ بات بھی اہم ہے کہ جہاں تک قرآن حکیم کی محفوظیت کا تعلق ہے اس پر کم از کم اہل تشیع کے وہ علماء جو اس وقت ایران میں برسر اقتدار ہیں قطعاً کسی شک و شبہ کا اظہار نہیں کرتے۔ ان کے علاوہ کسی کے ذہن میں کوئی اشکال ہو تو دوسری بات ہے۔

چھٹا نکتہ: خلفائے راشدین کے بارے میں دونوں فرقوں کا نقطۂ نظر

اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین اصل بنائے نزاع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بالخصوص خلفائے راشدین کی حیثیت کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر ہے۔ اور اس ضمن میں دونوں فرقوں کے مابین شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ یہ گویا شخصیات کے بارے میں تاریخی نزاع ہے۔ یہ ایسا ہی اختلاف ہے جیسے دیوبندیت اور بریلویت کا سارا اختلاف، جو گزشتہ صدی کی دو شخصیات شاہ اسمٰعیل شہید اور مولانا فضل حق خیر آبادی اور موجودہ صدی کی دو شخصیات مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا احمد رضا خان بریلوی کی وجہ

سے پیدا ہوا ہے۔ ورنہ دونوں گروہوں کے عقائد و نظریات میں کوئی قابل ذکر فرق موجود نہیں ہے، بلکہ شخصیات کے اس نزاع سے پہلے بریلویت کا کہیں نام و نشان تک موجود نہیں تھا۔ اسی طرح اس بار راولپنڈی میں ہمارے سالانہ اجتماع کے موقع پر ایک ممتاز شیعہ عالم دین نے واضح کیا کہ ان کے نزدیک امامت اور خلافت میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے، بلکہ امامت، خلافت اور امارت ایک ہی شے کے تین نام ہیں۔ لیکن شخصیات کے بارے میں اختلاف بہرحال موجود ہے۔

خلفائے راشدین کی خلافت کے بارے میں تمام مسلمانوں میں تین قسم کے لوگ دکھائی دیتے ہیں۔ ایک انتہا پر غالی شیعہ ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ حضرت علیؓ پہلے امام بھی ہیں اور اصلاً پہلے خلیفہ بھی، حضورؐ کے بعد آپؐ کی خلافت بلافصل انہی کا حق تھا، لیکن ابوبکر، عمر اور عثمان (رضی اللہ عنہم) نے ہر بار ان کا حق غصب کر کے خلافت حاصل کر لی۔ اس طرح یہ تینوں خلفاء (معاذ اللہ) غاصب تھے اور ان کی خلافت باطل تھی۔ رہا معاملہ حضرت علیؓ کا ان اصحاب کی بیعت کرنے کا، تو آپؓ نے محض تقیہ کے طور پر، ایک وقتی مجبوری اور مصلحت کے تحت بیعت کی، ورنہ انہوں نے کبھی دل سے اصحابِ ثلاثہ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا۔ اہل تشیع کے عوام کی اکثریت اسی موقف پر قائم ہے۔ اور یہی دونوں فرقوں کے درمیان بنیادی وجہ نزاع ہے۔

اس کے مقابلے میں دوسری انتہا پر وہ متشدد مکتب فکر ہے جو ماضی قریب میں اہل سنت میں پیدا ہو گیا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ اقتدار کے بھوکے تھے، حضرت حسینؓ بھی اقتدار کے حریص اور باغی تھے، لہٰذا وہ واجب القتل تھے۔ یہ لوگ تعداد میں بہت کم ہیں۔ ایسے دریدہ دہن لوگ چاہے ناصبی ہوں یا کوئی اور ہوں، میرے نزدیک یہ دراصل غالی شیعہ کے موقف کا ایک ردعمل ہے۔

اس ردعمل کا خاص تاریخی پس منظر ہے۔ ۱۹۷۹ء میں جب ایران میں انقلاب آیا تو اس کے نتیجے میں پاکستان میں اہل تشیع کے حوصلے بہت بلند ہو گئے اور انہوں نے بڑے جارحانہ انداز میں کوششیں شروع کر دیں کہ پاکستان میں بھی ایرانی طرز کا انقلاب لایا جائے۔ اہل سنت میں اس کا سخت ردعمل پیدا ہوا۔ اس ردعمل کا ایک مظہر سپاہ صحابہ کا

قیام ہے اور اس کا دوسرا ردعمل ان لوگوں کی صورت میں ظاہر ہوا جن کی اکثریت حدیث اور سنت کی منکر ہے، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو سنی کہلواتے ہیں۔ یہ حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کی توہین کرتے ہیں اور انہیں اقتدار کے حریص گردانتے ہیں۔ یہ نقطہ نظر بھی انتہائی گھناؤنا اور اہل سنت کے اجتماعی موقف کے خلاف ہے۔

صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدین (رضی اللہ عنہم اجمعین) کے بارے میں تیسرا نقطۂ نظر اہل سنت کی اکثریت کا ہے۔ مذکورہ بالا دو انتہاؤں کے مابین نقطہ ہائے نظر کے بہت سے shades ہیں، لیکن ان کے درمیان یہ بات متفق علیہ ہے کہ نہ تو اصحاب ثلاثہؓ غاصب تھے اور نہ ہی حضرت علیؓ اقتدار کے حریص تھے، بلکہ چاروں خلفاء "راشد" اور برحق تھے۔ اہل سنت کی اکثریت حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین (رضی اللہ عنہم) سے محبت رکھتی ہے، ان کی عظمت اور زہد و تقویٰ کی قائل ہے اور ان کی محبت کو جزو ایمان سمجھتی ہے۔ چنانچہ ہمارے عوام کے ہاں توجمعہ کے خطبوں میں بھی اکثر یہی چیزیں ملتی ہیں: "وفاطمۃ سیدۃ نساء اھل الجنۃ، وسیدا شباب اھل الجنۃ الحسن والحسین" چنانچہ اس میں شک نہیں کہ اہل سنت کے عوام کی اکثریت معتدل نقطہ نظر کی حامل ہے۔

ہمارے اسلاف میں سے بعض بڑی علمی شخصیات بھی معتدل نقطہ نظر کی حامل رہی ہیں۔ مثلاً شاہ ولی اللہ دہلویؒ برعظیم پاک و ہند کی ممتاز علمی شخصیت ہیں، میری نگاہ میں ان کا جو مقام و مرتبہ ہے اس سے آپ حضرات بخوبی واقف ہیں۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ اگر میری طبیعت کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تو میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے حضرت علیؓ کی افضلیت کا قائل ہوتا، لیکن مجھے حکوم ہوا ہے کہ صاحبین (حضرت ابوبکر و عمرؓ) کی افضلیت کا اقرار کروں، اس لئے اگرچہ میلان طبع حضرت علی کی طرف ہے لیکن صاحبین کی افضلیت کا اقرار کر رہا ہوں۔ اس طرح سے شاہ صاحبؒ نے اپنا میلان طبع بھی ظاہر کر دیا اور "تفضیلی" کہلانے سے بھی بچ گئے۔

پھر علامہ اقبال کا معاملہ اس بھی آگے کا ہے۔ انہوں نے "اہل بیت" کی وضاحت

رہے کہ میں یہاں اہل بیت کی اصطلاح اہل تشیع کے مفہوم میں استعمال کر رہا ہوں) جس قدر مدح و ثنا کی ہے اس نسبت سے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی نہیں۔ چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق کہتے ہیں ؎

مریم از یک نسبتِ عیسیٰؑ عزیز
از سہ نسبت حضرتِ زہرا عزیز

یعنی حضرت مریمؑ تو ہمیں ایک نسبت سے عزیز ہیں کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی والدہ ہیں، جبکہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ ہمیں تین نسبتوں سے عزیز ہیں، یعنی وہ محمد ﷺ کی بیٹی، حضرت علیؓ کی بیوی اور حضرات حسنینؓ کی والدہ ہیں)۔ اسی طرح ایک اور مقام پر کہتے ہیں ؎

مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؓ
مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ

اور ؎

بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری!

ایسے اشعار کی وجہ سے بعض لوگ اقبال پر بھی "تفضیلی شیعہ" ہونے کا لیبل لگاتے ہیں۔ مجھے بھی ان کے بعض اشعار سے اختلاف ہے۔ تاہم انہوں نے صرف حضرات اہل بیت ہی کی مدح نہیں کی بلکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مدح میں بھی اشعار کہے ہیں۔ یہ اشعار تعداد میں اگرچہ کم ہیں لیکن وزن میں کئی اشعار پر بھاری ہیں۔ مثلاً ایک شعر ملاحظہ کیجئے

ہمّتِ او کشتِ ملت را چوں ابر
ثانیٔ اسلام و غار و بدر و قبر

بلاشبہ حضور ﷺ کے انتقال کے بعد اسلام کی کھیتی مردہ ہو رہی تھی۔ جھوٹی نبوت کے دعویدار کھڑے ہو گئے تھے، مانعینِ زکوٰۃ کا فتنہ زور پکڑ گیا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حجاز کے چند شہروں کے سوا پورا جزیرہ نمائے عرب ارتداد کا شکار ہو گیا ہو۔ اسلام کی اس

کسمپرسی کے دور میں کس کی ہمت تھی کہ اسلام کا دفاع اور تحفظ کرتا۔ یہ حضرت ابو بکرؓ ہی تھے جنہوں نے جوانمردی سے ان فتنوں کا مقابلہ کیا اور ملت کی کھیتی کو اس طرح سیراب کیا جس طرح بادل کے برسنے سے مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے۔ دوسرے مصرعے میں علامہ اقبال نے آپؓ کے لئے چار الفاظ "ثانی اسلام و غار و بدر و قبر" استعمال کئے ہیں۔ یعنی آپؓ اسلام میں داخل ہونے والے بھی آنحضورؐ کے بعد پہلے شخص ہیں۔ آپؓ نے حضرت خدیجہؓ اور حضرت علیؓ سے بھی پہلے اسلام قبول کیا۔ غار ثور میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ "ثانی اثنین" ہونے کا شرف آپؓ کو ہی حاصل ہے۔ غزوۂ بدر کی رات جب حضورؐ اپنی جھونپڑی میں سجدہ ریز تھے تو باہر تلوار لے کر ابو بکرؓ ہی پہرہ دے رہے تھے۔ پھر آنحضور ﷺ کے بعد روضہ اطہر میں تدفین کا شرف بھی سب سے پہلے ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل ہوا۔ اس طرح یہ چار نسبتیں ہیں جن میں ابو بکرؓ کو رسول اللہ ﷺ کا "ثانی" ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

اہل تشیع کے ہاں جو مختلف ذیلی فرقے ہیں ان میں ایک زیدی شیعہ کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ بھی معتدل رائے کے قائل ہیں۔ یہ لوگ تفضیلی ہیں۔ یعنی ان کی رائے یہ ہے کہ اگرچہ خلافت حضرت علیؓ کا حق تھا، لیکن جب انہوں نے حضرت ابو بکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ اور عثمان غنیؓ کی خلافت قبول کر لی تو اب اصحاب ثلاثہؓ کی خلافت بھی برحق ہے۔ چنانچہ وہ ان خلفاء راشدین کو غاصب نہیں کہتے، صرف حضرت علیؓ کی افضلیت کے قائل ہیں۔

اس وقت موجودہ ایران میں جدید دانشوروں کی اکثریت کو میں نے اس ضمن میں معتدل پایا ہے۔ علماء میں سے بھی بعض معتدل ہیں، البتہ بعض ابھی تک غالی ہیں۔ عوام کی غالب اکثریت غالی شیعوں پر مشتمل ہے۔ معتدل شیعہ کے حوالے سے یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہمارے محدثین نے ان کی روایات کو قبول کیا ہے۔ خاص طور پر امام بخاریؒ کے بارے میں کتب تاریخ میں آتا ہے کہ انہوں نے بہت سے معتدل شیعہ راویوں سے روایات قبول کی ہیں اور بخاری شریف میں درج کی ہیں۔ یہ طرز عمل ہمارے محدثین کے اعتدال کی علامت ہے۔ اسی بنا پر اہل سنت کا ایک متشدد گروہ جو حضرت علیؓ اور

حضرت حسینؓ کو حریص اقتدار قرار دیتا ہے، صحیح بخاری کی روایات پر اعتراض کر رہا ہے۔

ساتواں نکتہ: مقام صحابہؓ اور تنظیم اسلامی

جہاں تک خلفاء اربعہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں تنظیم اسلامی کے موقف کا تعلق ہے، تو ہم بلاخوف لومہ لائم کہتے ہیں کہ تنظیم اسلامی سنی مسلمانوں کی تنظیم ہے، اس لئے اس معاملے میں اس کے عقائد و نظریات وہی ہیں جو جمہور اہل سنت کے ہیں۔ ان سب کا تذکرہ "تعارف تنظیم اسلامی" نامی کتاب میں کر دیا گیا ہے۔ کتاب ہذا میں ایمانیات پر مفصل بحث کی گئی ہے اور یہ چیز بہت اہم ہے، اس لئے کہ اگرچہ ہر مسلمان "ایمان" کا بنیادی اور اساسی مفہوم تو سمجھتا ہے لیکن ایمانیات کی تفصیلات اور جزئیات کے حوالے سے بہت سی باتیں عام لوگوں کے علم میں نہیں ہیں۔ مثلاً ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن ایمان باللہ کے معنی کیا ہیں؟ ہم ملائکہ پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن اس کا کیا مفہوم ہے؟ ہم آخرت کو مانتے ہیں، لیکن اس کا کیا مطلب ہے؟ ہم نبوت و رسالت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اس کے تقاضے کیا ہے؟ لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ کے لوازم کیا ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان چیزوں سے عام مسلمان آگاہ نہیں ہیں۔ ہم نے ان چیزوں کو مرتب کرتے ہوئے جماعت اسلامی کے دستور سے بھی راہنمائی لی ہے، اس لئے کہ "الحکمۃ ضالۃ المومن" کے مصداق خیر اور بھلائی جہاں سے بھی ملے اسے لے لینا چاہئے۔ لیکن جماعت اسلامی کے دستور میں یہ ایک بہت بڑا خلا ہے کہ وہاں ایمانیات کی بحث سرے سے وجود ہی نہیں۔ چنانچہ ہم نے اپنے ہاں اس بحث کو شامل کیا ہے۔ باقی کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کے معانی کیا ہیں، اللہ کو الٰہ ماننے اور محمد ﷺ کو رسول اللہ تسلیم کرنے کے معنی کیا ہیں، اس ضمن میں واقعتاً وہاں بڑی اچھی تعبیر و تشریح موجود ہے۔

ایمان بالرسالت کے متضمنات میں ہم نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ یہ تسلیم کیا جانا بھی ضروری ہے کہ آپؐ نے جو نظام عدل اجتماعی قائم فرمایا اور جو بعد میں خلافت راشدہ کے دوران قائم رہا، وہی دین حق کی صحیح ترین اور واحد مسلمہ تعبیر ہے۔ یعنی خلافت راشدہ

فی الواقع خلافت علیٰ منہاج النبوۃ تھی اور رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیضیاب ہونے والے ان خلفاء الراشدین المہدیین کی سنت بھی آنحضورؐ کے بعد دین میں حجت کا درجہ رکھتی ہے۔ جیسے کہ حضورؐ نے خود فرمایا :

((علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین))

"تم پر میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت کی پیروی لازم ہے"۔

ایمان بالرسالت کا دوسرا تقاضا یہ بھی ہے کہ یہ یقین رکھا جائے کہ آنحضورؐ کی تعلیم و تربیت اور تزکیہ سے براہ راست فیضیاب ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم من حیث الجماعت پوری امت میں افضلیت مطلقہ کے حامل ہیں اور کوئی غیر صحابی، خواہ وہ تقویٰ و تدین میں کتنے ہی بلند مقام پر فائز ہو، کسی صحابی سے افضل نہیں ہو سکتا۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہوں، شیخ علی ہجویریؒ ہوں یا معین الدین اجمیریؒ، کسی بھی بزرگ ہستی کو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی سے افضل قرار نہیں دیا سکتا۔ صحابہ کی محبت ہمارا جزو ایمان ہے۔ ان کی تعظیم و توقیر حضورؐ کی تعظیم ہے، اور ان سے بغض و عداوت اور ان کی تحقیر نبی ﷺ سے بغض عداوت اور آپؐ کی توہین ہے۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں حضورؐ کا فرمان ہے :

((من احبھم فبحبی احبھم، ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم))

یعنی "جس کسی نے ان سے محبت رکھی تو میری محبت کی وجہ سے محبت رکھی، اور جس کسی نے ان سے عداوت رکھی تو میری عداوت کی وجہ سے عداوت رکھی۔"

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ صحابہ کرامؓ کے درمیان جزوی فضیلت کے بہت سے پہلو ہو سکتے ہیں، لیکن ان کے پاس کلی فضیلت متعین طور پر اس طرح ہے کہ عام صحابہؓ پر ایک اضافی درجہ فضیلت ان پندرہ سو یا اٹھارہ سو اصحاب بیعت رضوان کو حاصل ہے، جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اس بیعت کو تاریخ میں "بیعت رضوان" یا "بیعت عن الموت" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان اصحاب پر ایک مزید درجہ فضیلت ۳۱۳ اصحاب بدر

کو حاصل ہے۔ پھر "عشرہ مبشرہ" سے موسوم دس صحابہؓ اصحاب بدر پر ایک درجہ فضیلت رکھتے ہیں۔ اور عشرہ مبشرہ میں سے ایک خاص درجہ فضیلت خلفاء اربعہ کو حاصل ہے۔ خلفاء اربعہ کے مابین افضلیت ترتیب خلافت کے لحاظ ہے۔ یعنی افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں' ان کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کا مقام ہے' پھر حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور پھر حضرت علیؓ ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم وارضاہم اجمعین!)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ تمام عدول ہیں۔ ان کے مابین جو اختلافات اور نزاعات پیدا ہوئے وہ نفسانیت اور حرص اقتدار کی بنا پر نہیں' بلکہ اجتہادی خطا کی بنا پر ہوئے تھے۔ چنانچہ نہ تو حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ حریص اقتدار تھے اور نہ ہی امیر معاویہؓ۔ اس لئے ہمارے نزدیک کسی کو بھی سب و شتم اور الزام و اتہام کا نشانہ بنانا جائز نہیں۔ کسی واقعی یا حقیقی ضرورت کے تحت ان اصحاب کے نزاعات کو زیر بحث لاتے ہوئے اگرچہ ان میں کسی ایک کو مصیب (یعنی صحیح رائے پر) اور دوسرے کو مخطی (یعنی غلطی پر) قرار دیا جا سکتا ہے' مگر یہ خطا اجتہادی ہوگی۔ تاہم ہمارے نزدیک محتاط ترین طرز عمل یہ ہے کہ ان اصحاب کے باہمی اختلافات اور جنگوں کے حوالے سے کف لسان سے کام لیا جائے اور زبان کھولنے کی بجائے کامل سکوت اختیار کیا جائے۔

آٹھواں نکتہ : فقہ جعفریہ اور فقہ اہل سنت میں اختلاف کی حقیقت

جہاں تک فقہ کا تعلق ہے میری رائے میں' میرے علم کی حد تک فقہ جعفریہ میں ایک "متعہ" کے مسئلہ کے علاوہ کوئی ایسی شے نہیں ہے جو کسی نہ کسی سنی فقہ میں موجود نہ ہو۔ اگر کوئی فرق ہے تو وہ اسی نوعیت کا ہے جو حنفی' حنبلی' مالکی اور شافعی فقہوں کے درمیان ہے۔ یہ موقف میرا پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے۔

ضیاء الحق صاحب کی مجلس شوریٰ کا ایک واقعہ لطیفے کے درجے میں پیش کر رہا ہوں۔ وہاں پر حق شفعہ کا بل زیر غور تھا۔ ایک موقع پر سید محمد رضی مجتہد نے' جو اہل تشیع کے

بہت بڑے عالم ہیں، اپنی تقریر میں یہ کہا چار فقہیں سنیوں کی ہیں اور ایک شیعوں کی۔ اور مسئلہ زیر بحث میں ساڑھے تین کا موقف ایک طرف ہے اور ڈیڑھ کا موقف دوسری طرف ہے۔ یعنی اس مسئلے میں جو رائے حنفی فقہ کی تھی اس کی تائید میں صرف نصف رائے اور تھی، جبکہ جو رائے فقہ جعفریہ کی تھی اس کی تائید میں سنی فقہوں میں سے اڑھائی آراء موجود تھیں۔ تو انہوں نے اسے اس طرح پیش کرتے ہوئے کہا کہ ساڑھے تین ایک طرف ہیں اور صرف ڈیڑھ دوسری طرف ہے، لہٰذا اکثریت کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے۔ اس پر میں نے کہا کہ لیجئے صاحب آج مسئلہ حل ہو گیا! میرے نزدیک پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ فقہی اختلافات ہیں اور ان میں بھی خاص طور پر شیعہ اور سنی کا اختلاف۔ اگر اہل تشیع یہ بات مستقل طور پر مان لیں کہ جس مسئلے میں پانچ فقہوں میں سے تین متفق ہوں اس کا فیصلہ ان تین کے مطابق کر دیا جائے تو مجھے ان کا استدلال قبول ہے۔ لیکن وہ عالم فوراً کہنے لگے کہ نہیں نہیں، ہمیں یہ بات مستقل طور پر منظور نہیں۔ اس پر وہاں ایک زبردست قہقہہ لگا۔ اس لئے کہ یہ تو پھر موقع پرستی ہوئی نا کہ ایک مسئلے میں آپ خود جو دلیل دے رہے ہیں اسے مستقل طور پر ماننے کے لئے تیار نہیں۔

نواں نکتہ : شیعہ سنی مفاہمت کی اہمیت

جیسا کہ بارہا واضح کیا گیا ہے کہ میرے نزدیک پاکستان میں اسلامی نظام کے قیام کے علاوہ بین الاقوامی سطح پر نیو ورلڈ آرڈر یعنی نئے عالمی یہودی مالیاتی استعمار کا سدباب اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک کہ اہل تشیع اور اہل تسنن کے مابین مفاہمت نہ ہو جائے۔ چنانچہ میرے نزدیک شیعہ سنی مفاہمت وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ قرآن کریم میں نبی اکرم ﷺ کو اہل کتاب کے ساتھ مفاہمت کے لئے یہ اصول دیا گیا ہے:

﴿قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ
اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْــًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا

مُسۡلِمُوۡنَ۝﴾ (آل عمران:۶۴)

"(اے پیغمبرﷺ) تم کہہ دو کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا رب نہ مانے' پھر اگر (یہ لوگ اس بات سے) روگردانی کریں تو (مسلمانو! ان سے) کہہ دو کہ گواہ رہنا کہ (انکار تمہاری طرف سے ہے) ہم تو اللہ کے فرماں بردار ہیں"۔

اندازہ کیجئے کہ اگر اہل کتاب سے مفاہمت ممکن ہے بلکہ اس کا حکم دیا جا رہا ہے تو ان لوگوں کے ساتھ اشتراک و اتحاد کیونکر نا ممکن ہے جو مسلمان ہیں اور رسالت محمدیؐ میں ہمارے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کا رخ کیا ہے اور قرآن مسلمانوں میں کس چیز کو فروغ دینا چاہتا ہے۔

سورۂ آل عمران ہی کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ میں امت مسلمہ کے لئے ایک سہ نکاتی لائحہ عمل بیان کیا گیا ہے جن میں سے درمیانی آیت میں اعتصام بحبل اللہ یعنی تمسک بالقرآن اور باہم اتحاد و اتفاق کا حکم بایں الفاظ دیا گیا ہے:

﴿وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ۖ وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ۝﴾

"اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے' پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے فضل (و کرم) سے بھائی بھائی بن گئے۔ (تمہارا حال تو یہ تھا کہ) تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے لیکن اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اسی طرح اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاجاؤ"۔

یہ آیت جس پس منظر میں نازل ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ قبول اسلام سے قبل اہل عرب میں

شدید اختلافات' انتشار اور جنگ و جدال پایا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دولت اسلام سے مالامال کر کے جہنم کے گڑھے میں گرنے سے بچالیا۔ آج اگر ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیں تو یہ آیت ہم پر صادق آتی ہے۔ شیعہ سنی اختلافات انتہائی گھمبیر ہوتے جارہے ہیں۔ پاکستان کے علاوہ افغانستان میں بھی یہ مسئلہ جنگ و جدال کی صورت اختیار کرتا جارہا ہے اور اس اختلاف کی خلیج مزید گہری ہوتی جارہی ہے۔ اسی کا مظہر مسئلہ افغانستان پر تہران میں منعقدہ کانفرنس میں ایرانی فارن پالیسی کمیشن کے وائس چیئرمین محمد جواد کا وہ بیان ہے جس میں انہوں نے مسئلہ کشمیر پر کھل کر بھارتی موقف کی حمایت کی ہے۔ بھارتی وفد سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہمارا موقف یہ ہے کہ کشمیری مسلمانوں کو مکمل مذہبی اور سیاسی آزادی ہونی چاہئے' لیکن انہیں ہندوستان کی بڑی فیملی کے اندر ہی رہنا چاہئے۔

درحقیقت اس وقت عالمی مالیاتی یہودی استعمار کی سوچی سمجھی سکیم یہ ہے کہ :

اولاً : مسلمانوں کے مذہبی اختلافات کو ہوا دی جائے تاکہ یہ کبھی بھی واحد قوت نہ بن سکیں اور ہمیں چیلنج نہ کر سکیں۔

ثانیاً : مسلمان ممالک سے چین کے تعلقات ختم کر دیئے جائیں۔

یہودی رفتہ رفتہ اپنی اس سکیم میں کامیاب ہو رہے ہیں' کیونکہ ان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ اس کا ایک مشاہدہ افغانستان کی موجودہ سیاسی صورتحال کے تناظر میں کیا جاسکتا ہے۔ دیکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ اگر افغانستان میں طالبان کوئی مستقل' پائیدار اور مستحکم حکومت قائم کرلیں تو وہ ایک کٹر سنی حنفی علماء کی حکومت ہوگی۔ اس کے مقابلے میں ایران میں پہلے سے شیعہ علماء کی حکومت قائم ہے۔ گویا اب ایک طرف شیعہ علماء کی اور دوسری طرف کٹر سنی علماء کی حکومت ہوگی اور اس کا لامحالہ نتیجہ دونوں ممالک کے درمیان شدید اختلافات اور کشیدگی کی صورت میں برآمد ہو سکتا ہے۔ اور یہی چیز عالمی قوتوں کو مطلوب ہے۔

بہرحال احیائے اسلام اور غلبہ دین حق کے لئے شیعہ سنی مفاہمت اور اتحاد کا میں سختی سے پہلے بھی قائل تھا اور اب مزید قائل ہوتا جارہا ہوں' اس لئے کہ اس کے بغیر نہ

یہاں اسلام آسکتا ہے اور نہ ہی نیو ورلڈ آرڈر کے زیر عنوان نئے عالمی یہودی مالیاتی استعمار کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا راستہ روکا جاسکتا ہے۔

شیعہ سنی مفاہمت کی اہمیت کے پیش نظر میرا ایک "خیال" ہے کہ تنظیم اسلامی تو اگرچہ ایک خالصتاً سنی المسلک تنظیم ہے' اس کے عقائد وہی ہیں جو اہل سنت کے ہیں لیکن تحریک خلافت میں شیعہ حضرات کو بھی جمع کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ تاحال ایک خیال اور رائے ہے' اسے فیصلہ کی شکل نہیں دی گئی' تاہم اس پر جزوی طور پر عمل ہو رہا ہے۔ چنانچہ ہم خلافت کے جلسوں میں اہل تشیع مقررین کو بھی بلا رہے ہیں۔

آخری نکتہ : پاکستان میں اہل تشیع کی حیثیت

آخری نکتہ یہ ہے کہ پاکستان میں اہل تشیع کو وہی حیثیت دستوری اور قانونی طور پر تسلیم کرلینی چاہئے جو حکومت ایران نے وہاں اہل سنت کو دی ہے۔ یعنی پاکستانی اہل تشیع کو بھی یہاں اکثریتی فقہ کے نفاذ کے ایرانی فارمولا کو برضاورغبت قبول کرلینا چاہئے۔ میں نے علامہ ساجد نقوی صاحب سے اپنی ایک گزشتہ ملاقات میں بھی اپنے اس موقف کا اعادہ کیا ہے اور ایران میں بھی وہاں کی سب سے بڑی مذہبی شخصیت آیت اللہ خامنہ ای سمیت جس سے بھی ملا ہوں اس کے سامنے کھل کر اپنے موقف کا اظہار کیا ہے۔ میں نے آیت اللہ خامنہ ای سے اپیل کی کہ وہ اپنے اثر رسوخ کو استعمال کرتے ہوئے پاکستان کے شیعہ حضرات کو بھی اسی بات پر آمادہ کریں۔

سفر ایران کا پس منظر

میرے حالیہ دورۂ ایران کا مختصر سا پس منظر یہ ہے کہ اگرچہ ایک زمانے میں میرا شمار بھی غالی اور متشدد سنیوں میں کیا جاتا تھا' تاہم یہ بات پہلے بھی غلط تھی اور رفتہ رفتہ اس کی غلطی مزید واضح ہوتی گئی۔ خاص طور پر جب مسئلہ کشمیر کے بارے میں اخبارات میں میرے یہ بیانات سامنے آئے کہ ہمیں چاہئے کہ اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم کی بجائے چین کے بہتر تعلقات کو استعمال کر کے بھارت سے دو طرفہ مذاکرات کے ذریعے یہ مسئلہ حل

کریں اور پاکستان' ایران' افغانستان اور روسی ترکستان پر مشتمل ایک مضبوط اسلامی بلاک بنائیں' تو اس کے بعد اہل تشیع کے دلوں میں میرے لئے مزید نرم گوشہ پیدا ہوا ہے۔ اس کے نتیجے میں خاص طور پر لاہور میں ایرانی قونصلیٹ کی طرف سے مجھے متعدد بار اپنے ہاں منعقد ہونے والی تقاریب میں شرکت کی دعوت موصول ہوتی رہی۔ براہ راست ایران سے بھی دعوت نامے آئے' آیت اللہ خمینی کی برسی کی تقریب میں شرکت کی دعوت بھی آئی' لیکن میں نے اس موقع پر صاف کہہ دیا کہ چونکہ میں برسی منانے کو بدعت سمجھتا ہوں اس لئے پاکستان میں بھی کسی کی برسی میں شریک نہیں ہوتا' لہٰذا آپ کے پروگرام میں بھی شرکت نہیں کر سکتا۔ دیگر تقریبات اور کانفرنسوں میں شرکت سے بھی معذرت کرتا رہا ہوں کہ میں تقریبات اور کانفرنسوں کا آدمی نہیں ہوں' اس لئے کہ میں عالم دین ہوں نہ دانشور' بلکہ ایک خادم دین اور طالب قرآن ہوں' تاہم میں انقلاب ایران کے بعد کے ایران کو دیکھنا ضرور چاہتا ہوں کہ انقلاب کے بعد کیا ہوا اور کیسے ہوا؟ چنانچہ میں نے ان سے کہا کہ آپ مجھے علیحدہ کبھی بلائیں گے تو میں حاضر ہو جاؤں گا۔

گزشتہ سال ہمارے ہاں آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی تشریف لائے' ان کی شخصیت سے میں بہت متاثر ہوا۔ انہوں نے قرآن کالج کے طلبہ سے خطاب بھی کیا۔ ان کی تقریر کے دوران شیعہ سنی مسئلہ کے بارے میں ان کا بھی وہی موقف سامنے آیا جو میں یہاں عرصے سے پیش کر رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ آیت اللہ خمینی صاحب کا بھی یہی موقف تھا کہ ہر ملک میں قانون عامہ (Public Law) اکثریت کے فقہی تصورات اور تعبیرات کے مطابق ہونا چاہئے' البتہ نجی قانون (Personal Law) میں سب کو آزادی دی جائے۔

اس کے بعد ایرانی قونصل کی طرف سے آمد و رفت کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ میں بھی ان کی ایک تقریب میں گیا اور ایک بار کھانے کی دعوت پر بھی گیا اور آخر کار مجھے حالیہ دورۂ ایران کی دعوت بھی موصول ہو گئی۔ دورۂ ایران کی یہ دعوت سرکاری نہیں بلکہ نیم سرکاری تھی۔ ایران میں اسلامی ثقافت کو فروغ دینے اور دوسرے ممالک میں مسلمانوں سے تعلقات مضبوط بنانے کے لئے "سازمان ثقافت علاقات خارجہ" کے نام

سے ایک ادارہ یا محکمہ بنایا گیا ہے۔ اس محکمہ کا ایک ذیلی ادارہ "المجمع العالمی للتقریب بین المذاهب الاسلامیه" ہے جس کا مقصد مختلف فقہی مذاہب کو آپس میں قریب تر لانے کی کوشش کرنا ہے۔ آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی اس ادارے کے ڈائریکٹر ہیں۔ یہ دعوت مجھے ان کی طرف سے ملی تھی۔ میں ایران گیا تو میرا اور میرے ساتھیوں کا قابل قدر اعزاز و اکرام کیا گیا اور خاطر تواضع اور مہمان نوازی میں کوئی کمی نہیں کی گئی۔ فائیو سٹار ہوٹل میں ہمارے قیام و طعام کا انتظام کیا گیا۔ اس کے لئے میں ان کا ممنون ہوں۔ البتہ چونکہ یہ سرکاری دعوت نہیں تھی اس لئے ذرائع ابلاغ نے ہمارے دورے کو زیادہ کوریج نہیں دی گئی۔ میرے ساتھ عزیزم ڈاکٹر عبدالخالق بھی تھے۔ انہوں نے دورۂ ایران کی تفصیلی رپورٹ قلمبند کی ہے (مذکورہ رپورٹ نومبر ۹۶ء میثاق کے میں شائع ہو چکی ہے)

مشاہدات و تأثرات

مشاہدات اور تاثرات کے حوالے سے مجھے جو نکات بیان کرنے ہیں' ان میں سے اکثر مثبت ہیں' البتہ کچھ منفی بھی ہیں۔

مثبت تاثرات

☆ علماء کا وقار : مثبت تاثرات میں پہلی قابل ذکر بات یہ ہے کہ ایران میں جا کر واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ وہاں علماء کا ایک وقار اور عزت ہے' جبکہ ہمارے ہاں صورتحال اس کے برعکس ہے۔ شہروں میں یقیناً ہمارے ہاں بھی کچھ دبنگ قسم کے علماء ایسے ضرور موجود ہیں جو اپنی حیثیت بنا لیتے ہیں اور اسے منوا لیتے ہیں' ان کی عزت بھی ہوتی ہے اور مساجد پر بھی وہ اپنا "اقتدار" قائم کر لیتے ہیں' لیکن دیہات میں' سب جانتے ہیں کہ علماء کو "کی کاری" سے زیادہ کی حیثیت نہیں دی جاتی۔ اقبال نے بھی کہا تھا ؎

قوم کیا چیز ہے ' قوموں کی امامت کیا ہے؟
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام!

☆ نمازِ جمعہ کا روح پرور منظر: دوسرا تاثر بھی اقبال کے شعر کے حوالے سے ملاحظہ کیجئے ۔

عیدِ آزاداں شکوہ ملک و دیں
عیدِ محکوماں ہجوم مومنین

جمعہ مسلمانوں کے لئے عید کا دن ہے' جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا "الجمعة عيد المسلمين" اس حوالے سے نمازِ جمعہ کا جو منظر ہم نے وہاں دیکھا ہے وہ پوری دنیا میں شاید کہیں اور نظر نہ آئے۔ صرف تہران میں ان کے کہنے کے مطابق دس لاکھ افراد جمعہ ادا کرتے ہیں۔ ہم نے جہاں نمازِ جمعہ ادا کی وہ یونیورسٹی کا ایک بہت بڑا جمنیزیم ہے' جس کی مزید توسیع کی گئی ہے۔ اس کے اردگرد باہر سڑکوں اور گلیوں میں بقول ان کے دس لاکھ افراد ہوتے ہیں۔ جہاں تک ہماری نگاہ جا رہی تھی وہ بھی ایک لاکھ سے کسی درجہ کم نہیں تھے۔ ان کی فقہ میں شاید ایک فرسنگ سے کم فاصلہ پر جمعہ ہو ہی نہیں سکتا۔ فرسنگ غالباً ساڑھے تین میل کا ہوتا ہے۔ گویا ساڑھے تین میل کا دائرہ کھینچا جائے گا تو سات میل کے حلقے کے اندر ایک ہی جمعہ ہو سکتا ہے' دوسرا نہیں۔ اس کے مقابلے میں ہمارا حال یہ ہے کہ اگر ایک گلی میں تین مساجد ہیں تو ہر مسجد میں چند آدمی بیٹھے ہوتے ہیں اور جمعہ ہو رہا ہوتا ہے۔

☆ اعلیٰ تعلیم کے لئے معیاری یونیورسٹیاں: میں نے ایران میں دو یونیورسٹیوں کا مشاہدہ کیا ہے۔ ان میں سے ایک "تہران یونیورسٹی" ہے اور دوسری "دانش گاہ امام جعفر صادقؒ"۔ جہاں تک تہران یونیورسٹی کا تعلق ہے وہ تو پہلے سے چل رہی ہے۔ البتہ دانش گاہ امام جعفر صادقؒ ایک نئی یونیورسٹی ہے جو کچھ عرصہ قبل قائم ہوئی ہے۔ ان یونیورسٹیوں سے مجھے اتنی دلچسپی اس لئے ہے کہ میں نے ۱۹۶۸ء میں ایک خواب دیکھا تھا کہ عالمِ اسلام میں جابجا ایسی یونیورسٹیاں قائم ہونی چاہئیں جن کا مرکزی شعبہ تو قرآن حکیم اور عربی زبان ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ سائنس' مینجمنٹ' معاشیات' اقتصادیات اور تاریخ وغیرہ کے دوسرے شعبے بھی ہوں۔ قرآن اور عربی زبان کی تحصیل لازمی ہو اور باقی مضامین میں سے جسے طالبِ علم پسند کرے اس میں تخصص (specialization) کر

لے۔ یہ خواب پاکستان میں تو ہنوز تشنہ تعبیر ہے۔ اگرچہ میں نے قرآن کالج اسی قرآن یونیورسٹی کی طرز پر شروع کیا ہے' جیسے کبھی سرسید احمد خان نے علی گڑھ کالج کی بنیاد رکھی تھی اور بعد میں اسے یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا تھا۔ لیکن ہم نے کالج میں فزیکل سائنسز نہیں رکھیں۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی یونیورسٹی کے قیام کی توفیق مرحمت فرمادے جس کا مرکز و محور قرآن اور عربی زبان ہو۔ بہرحال میں نے ایران میں اپنے خواب کی کسی درجے میں تعبیر دیکھی ہے۔ گویا بقول اقبال ؎

یارانِ تیز گام نے محمل کو جا لیا
ہم محوِ نالۂ جرسِ کارواں رہے!

☆ خواتین یونیورسٹی کا قیام : حکومت ایران نے خواتین کے لئے علیحدہ یونیورسٹی بنائی ہے۔ یہ بہت بڑی یونیورسٹی ہے' جس میں پانچ ہزار طالبات اس وقت زیر تعلیم ہیں۔ اڑھائی سو اساتذہ ہیں' جن میں سے ڈیڑھ سو خواتین اساتذہ اور ایک سو مرد ہیں۔ مرد اساتذہ کی تعیناتی بقول ان کے وقتی مجبوری ہے۔ تمام طالبات اور خواتین اساتذہ باپردہ نظر آتی ہیں۔ البتہ ان کے ہاں حجاب میں چہرہ شامل نہیں ہے۔ لہٰذا خواتین کا پورا جسم اور سر اچھی طرح ڈھکا ہوتا ہے لیکن چہرہ کھلا رہتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہمارے ہاں خواتین یونیورسٹی کا پرزور مطالبہ کیا جاتا رہا ہے۔ جنرل ضیاء الحق صاحب کے گیارہ سالہ دور اقتدار میں اسلامی جمعیت طلبہ اور جماعت اسلامی نے ویمن یونیورسٹی کے لئے سرتوڑ کوششیں کیں لیکن حکومت کی طرف سے سوائے سبز باغ دکھانے کے اس جانب عملاً کوئی پیش رفت نہ ہو سکی اور ہنوز یہ معاملہ کھٹائی میں پڑا ہوا ہے۔ لیکن ایران میں خواتین یونیورسٹی بالفعل قائم ہے۔

مجھے خواتین یونیورسٹی جانے کا بھی موقع ملا۔ وہاں پر وائس چانسلر اور اہم سینئر اساتذہ سے میری گفتگو بھی ہوئی۔ میں نے ان سے کہا کہ شیعہ سنی مسئلہ میں ایک وجہ اختلاف یہ بھی کہ آپ (شیعہ) حضرات خواتین میں سے سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی شخصیت پر بہت زور دیتے ہیں' جبکہ سنی حضرات بالخصوص غالی اور متشدد سنی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ اس طرح دونوں گروہوں نے ایک

ایک شخصیت کو اپنے لئے الاٹ کر لیا ہے اور ان دونوں کو ایک دوسرے کے مقابل لے آئے ہیں، حالانکہ ہمارے نزدیک سیدہ فاطمہ کبریٰ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دونوں محترم ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ اگر آپ حضرت فاطمہؓ کے بجائے ان کی والدہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو مرکزی شخصیت کا درجہ دیں، جو حضور ﷺ کی بیوی ہونے کے ساتھ ساتھ آپؐ کی محسنہ بھی ہیں تو ان کی شخصیت دونوں گروہوں کے لئے یکساں طور پر قابل قبول ہو سکتی ہے۔ ہمارے نزدیک مَردوں میں "الصدیق الاکبر" کا مقام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے جبکہ خواتین میں "الصدیقہ الکبریٰ" کا مقام یقینی طور پر سیدہ خدیجہ الکبری کا ہے۔ ان حضرات نے میری بات کے وزن کو محسوس کیا اور اس سے اتفاق کیا۔

☆ تعلیم و تعلّم سے دلچسپی : ایران میں واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ ایرانیوں کی ترجیحات میں علم تعلیم کو اساسی اہمیت دی گئی ہے۔ یونیورسٹیوں اور لائبریریوں پر زر کثیر خرچ کیا جا رہا ہے۔ نئے تعلیمی ادارے اور تحقیقی و تفتیشی مراکز کھل رہے ہیں۔ فارسی زبان میں ایک بہت بڑا انسائیکلوپیڈیا "دائرہ المعارف الاسلامیہ الکبری" کے نام سے تیار ہو رہا ہے۔ اس کی اب تک تیس جلدیں چھپ چکی ہیں۔ ساتھ ساتھ اس کا عربی ترجمہ بھی کیا جا رہا ہے، جس کی چھ جلدیں مکمل ہو چکی ہیں۔ انہوں نے ہمیں اس کی پہلی دو جلدیں ہدیہ کی ہیں۔ اہل ایران کی علم دوستی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ وہاں اعلیٰ ترین عمارتیں یونیورسٹیوں، لائبریریوں، کتب خانوں اور دیگر تعلیمی اداروں کی ہیں۔ اس کے برعکس دوسرے شعبوں میں اتنی دلچسپی نہیں ہے۔ چنانچہ اگرچہ تہران کراچی سے زیادہ جدید شہر ہے لیکن اس کے باوجود اس کا ایئرپورٹ کراچی ایئرپورٹ سے اچھا نہیں ہے، بلکہ لاہور کے ایئرپورٹ کی طرح ہے۔ کسی بھی قوم کی زندگی میں ترجیحات کا تعین بہت اہم ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک ترجیح اول کسے حاصل ہے اور ترجیح ثانوی کس شے کو حاصل ہے۔

☆ قرآن حکیم کی عمدہ طباعت : قرآن مجید کی محفوظیت اور اس کے صحیح ہونے پر

مجھے اپنے اس پورے سفر میں کہیں بھی کسی شک و شبہ کے آثار نظر نہیں آئے۔ اس کے علاوہ قرآن حکیم پر بہت کام ہو رہا ہے۔ اس کی نہایت عمدہ طباعت ہو رہی ہے۔ انہوں نے کچھ عرصہ قبل علامہ طباطبائی کی ۲۰ جلدوں پر مشتمل تفسیر شائع کی ہے۔ یہ تفسیر مجھے بھی ہدیہ کی گئی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ مقدار (quantity) کے معاملے میں سعودی عرب سے آگے نہیں جا سکتے' اس لئے کہ سعودی عرب معاشی اعتبار سے ایک مضبوط اور مستحکم ملک ہے۔ سعودی حکومت نے قرآن حکیم کی نہایت عمدہ طباعت کر کے وسیع پیانے پر پوری دنیا میں مفت تقسیم کیا ہے۔ بہرحال پھر بھی سعودی عرب کے بعد اپنے وسائل کے اعتبار سے قرآن حکیم کی جس قدر عمدہ طباعت ایران نے کی ہے' اس کی نظیر کوئی دوسرا مسلمان ملک پیش نہیں کر سکتا۔

☆ مزاروں پر خرافات نہیں : ہمیں اندیشہ تھا کہ آیت اللہ خمینی کے مزار پر ہمارے ہاں کے مزارات سے بھی زیادہ خرافات اور بدعات ہوں گی' لیکن ہم وہاں گئے تو اس قسم کی کوئی چیز وہاں ہمیں دیکھنے کو نہیں ملی۔ میں نے وہاں جا کر مسنون طریقہ سے سلام کیا :
"السلام علیکم یا اھل القبور من المومنین والمسلمین' یغفر اللہ لنا ولکم' انتم سلفنا ونحن بالاثر" پھر مزار کی طرف پیٹھ کر کے قبلہ رو ہو کر دعا کی۔ اس پر کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

میں قم بھی گیا' اس لئے کہ وہ ایران کا بہت بڑا علمی مرکز ہے۔ وہاں حوضہ علمیہ اور فیضیہ دو بہت بڑے علمی مراکز ہیں۔ میں مشہد بھی گیا کیونکہ وہ خراسان کا دارالخلافہ ہے۔ خراسان سے جو مجھے دلچسپی ہے وہ آپ حضرات کو معلوم ہے۔ ان دونوں مقامات پر دو مزارات ہیں جو ان کے نزدیک مقدس ترین مقامات ہیں اور انہیں وہاں "حرم" کہا جاتا ہے۔ مشہد میں ان کے نزدیک آٹھویں امام معصوم امام رضاؒ اور ان کی ہمشیرہ حضرت معصومہؒ کے مزارات ہیں۔ قم سے ہمیں وہاں لے جایا گیا' لیکن ہم مزاروں کے اندر نہیں گئے بلکہ باہر ہی سے مسنون دعا کی' لیکن مجھے خوشگوار حیرت ہوئی کہ ہمارے اس عمل سے کسی کے چہرے پر ناراضی کے آثار نظر نہیں آئے اور کسی نے ہمیں یہ نہیں کہا کہ ہم اندر جا کر مزار پر حاضری دے آئیں۔

ویسے اپنے بارے میں یہ وضاحت بھی کردوں کہ میں جو مزارات کے اندر نہیں گیا تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں اسے کفر یا شرک سمجھتا ہوں۔ میں تو یہاں بھی شیخ علی ہجویریؒ کی قبر پر جانا چاہتا ہوں لیکن صرف اس لئے نہیں جارہا کہ اس سے عوام میں پائے جانے والے قبر پرستی کے مروجہ خیالات اور مشرکانہ تصورات کو تقویت ملے گی۔ ماضی میں اس طرح کی ایک غلطی مجھ سے ہوئی ہے۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ میں کھاریاں میں پیر صاحب موہری شریف کی دعوت پر ان کی خانقاہ میں گیا۔ وہ مجھے اپنے پیر صاحب کی قبر پر لے گئے۔ پھر اس بات کا بتنگڑ اس طرح بنایا گیا کہ انہوں نے وہاں پر فوٹو کھینچ کر اخبارات میں شائع کروادیا اور یہ تاثر دیا گیا کہ ڈاکٹر اسرار احمد بریلوی اور پیر پرست بن گئے ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ انہوں نے پیر صاحب کی بیعت کرلی ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو اس طرح کے فتنوں کے سدباب کی وجہ سے میں نے مزارات پر نہ جانے کا فیصلہ کیا ہے۔

☆ سرکاری سطح پر سادگی : ایک مثبت تبدیلی یہ ہے کہ اگرچہ آیت اللہ خامنہ ای کو ایران میں بے تاج بادشاہ کی حیثیت حاصل ہے لیکن ان میں ہمیں کوئی بات "شاہانہ" نظر نہیں آئی۔ ہماری بھی ان سے ملاقات ہوئی۔ وہ ہمیں سادگی، شرافت، متانت، تحمل و بردباری اور وجاہت کا عظیم مرقع اور مجسمہ نظر آئے۔ واقعہ یہ ہے کہ میں نے آج تک ایسی شخصیت نہیں دیکھی۔ اتنا بلند مرتبہ حاصل ہو جانے کے باوجود ابھی تک وہ فرشی نشست پر دوزانو ہو کر بیٹھتے ہیں اور عوام اور دیگر ملاقاتی بھی دوزانو ہو کر ان کے سامنے بیٹھ جاتے ہیں۔ اسی طرح محکمہ "سازمان ثقافت وعلاقات خارجی" کے انچارج آیت اللہ تسخیری بھی حلم و تواضع میں اپنی مثال آپ ہیں۔ کچھ ایسا ہی معاملہ "مرکز دائرہ المعارف بزرگ اسلامی" کے سربراہ ڈاکٹر بجنوردی کا ہے۔ وہ علماء میں سے نہیں۔ انہوں نے شاہ کے دور میں چودہ سال جیل کاٹی ہے۔ ان کو وزارت عظمیٰ کی پیشکش بھی کی جاتی رہی ہے لیکن انہوں نے اپنے آپ کو علمی کام کے لئے وقف کیا ہے۔ وہ بہت ہی شریف انسان ہیں۔ ہمیں قم پبلک لائبریری دیکھنے کا موقع بھی ملا۔ یہ لائبریری تنہا ایک شخص آیت اللہ المرعشی نے نجف میں بیٹھ کر بنائی ہے۔ اس لائبریری میں پچیس ہزار سے زائد تو مخطوطات جمع کئے گئے ہیں۔ ان کے بیٹے سید محمود المرعشی سے مل کر بھی طبیعت بہت خوش ہوئی۔

ایسی لائبریری میرے علم کی حد تک پورے پاکستان میں موجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ آیت اللہ واعظ زادہ خراسانی کی شرافت، متانت اور وجاہت کا تو میں پہلے سے ہی قائل تھا۔

☆ مضبوط معیشت کے لئے کوششیں : ایران اپنی معیشت کو مضبوط بنیادوں پر تعمیر کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہا ہے۔ صنعتوں کو فروغ دینے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ مغربی طاقتوں کی جانب سے ایران کے بائیکاٹ اور مخالفت نے مزید تحریک پیدا کر دی ہے۔ ایسے حالات میں ایران کی کوشش ہے کہ انڈسٹری کے میدان میں مغرب کا مقابلہ کرے۔ گویا بقول اقبال ع

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے!

☆ عربی زبان سے گہرا شغف : عربی زبان سے جو شغف مجھے ایران میں نظر آیا کسی اور عجمی ملک کے بارے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اور پاکستان میں تو اس کا دسواں حصہ بھی موجود نہیں ہے۔ یہاں تو علماء بھی عربی میں گفتگو کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ اس معاملے میں افغان ہم سے بہت بہتر ہیں۔ بہرحال عربی زبان سے اہل ایران کی دلچسپی خوشگوار حیرت کا باعث بنی کہ شاہ ایران کے دور میں عربی کے خلاف مہم چل رہی تھی اور فارسی میں سے عربی الفاظ نکال کر ان کے مترادف جدید فارسی الفاظ شامل کئے جا رہے تھے۔ لیکن اب دوبارہ عربی کی طرف مراجعت وہاں نمایاں طور پر نظر آ رہی ہے۔

☆ اقبال سے محبت : ایران میں علامہ اقبال سے گہری محبت اور عقیدت پائی جاتی ہے۔ پورے ایران میں دانشور اور علماء ان کے فکر سے متفق اور متاثر دکھائی دیتے ہیں۔ اقبال کو وہاں اقبال "لاہوری" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس طرح ہمارے دلوں میں سعدیؒ کا مقام ہے اور ہم انہیں سعدی "شیرازی" کہتے ہیں اسی طرح اقبال کو وہ اقبال "لاہوری" کہتے ہیں اور ان کے انقلابی پیغام سے گہرا شغف اور لگاؤ رکھتے ہیں۔

منفی تأثرات

میں چاہتا ہوں کہ مثبت تاثرات کے ساتھ ساتھ منفی نکات بھی بیان کر دیئے جائیں

تا کہ بات یک رخی نہ رہ جائے۔ میرے تاثرات میں منفی نکات درج ذیل ہیں :

☆ عمومی افسردگی کی فضا : ایرانی عوام میں بشاشت' امنگ اور ولولہ نظر نہیں آتا اور عام طور پر پورے ماحول پر افسردگی اور کچھ خوف زدگی کی سی کیفیت طاری ہے۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہل تشیع کے نزدیک حضرت فاطمہؓ کو جن مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا' حضرت علیؓ پر ان کے مطابق جو زیادتیاں ہوئیں اور مقام کربلا میں حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کا جو واقعہ ہوا' ان واقعات کے زیر اثر اہل تشیع کا یہ ایک عمومی مزاج بن چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ افسردہ مزاجی اسی کا عمومی اثر ہو۔

دوسری اور اہم وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ وہاں علماء کی حکومت ہے اور پاسداران انقلاب کا وہاں دبدبہ اور غلغلہ ہے جبکہ عوام کے احساسات کے اندر بنیادی طور پر اتنی گہری تبدیلی تاحال نہیں آ سکی کہ وہ مثبت طور پر اس سے ہم آہنگ ہو سکیں' اس بنا پر ایک جبر کی سی فضا طاری نظر آتی ہے۔

تیسرے یہ کہ جہاں تک ہم نے معلوم کیا ہے تو ہمیں اندازہ ہوا ہے کہ انقلاب ایران کی حمایت یا اس کے حق میں جذبات عام ایرانیوں میں نفوذ نہیں کر رہے' بڑھ نہیں رہے بلکہ یہ جذبات گھٹ رہے ہیں۔ ہماری وہاں پر بعض عہدیداروں سے بات چیت ہوئی تو میں نے براہ راست ان سے یہ سوال کیا کہ کیا انقلاب ایران کی حمایت بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے؟ تو پہلے تو وہ بھونچکے سے رہ گئے کہ یہ کیسا سوال کر دیا۔ کہ اس کا جواب بڑا مشکل ہے' لیکن پھر کچھ گول مول جواب یہ دیا کہ ہم ترقیاتی کاموں پر بہت زیادہ خرچ کر رہے ہیں' اس لئے مہنگائی بڑھ گئی ہے' جبکہ انقلاب سے پہلے شاہ ایران عوام کی بہبود پر ہی خرچ کرتا تھا' تو کچھ اس کے اثرات ہیں' تاہم عوامی سطح پر ہمارے خیال میں انقلاب کی تائید بڑھ رہی ہے۔ یعنی وہ ساری باتیں کہنے کے بعد آخری بات یہ کہتے تھے کہ "تائید بڑھ رہی ہے" جبکہ میرا ذاتی خیال ہے کہ گھٹ رہی ہے۔

☆ شیعہ سنی عدم مفاہمت : شیعیت اور سنیت کے مابین اعتدال و توازن وہاں بہت

کم ہے، اگرچہ "لا شیعیہ لاسنیہ، اسلامیہ اسلامیہ" اور "لاشرقیہ لاغربیہ، اسلامیہ اسلامیہ" کے نعرے خوب لگ رہے ہیں۔ لیکن میرا تجزیہ یہ ہے کہ اگرچہ جدید دانشوروں میں جن سے ہماری ملاقات ہوئی، کافی حد تک اعتدال موجود ہے، اس لئے کہ ان کی پرورش کٹر مولویانہ ماحول میں نہیں ہوئی، اسی طرح علماء میں سے بھی بعض معتدل مزاج کے حامل ہیں، لیکن عوام میں کٹر شیعہ عقائد پوری پختگی کے ساتھ موجود ہیں اور ان میں اعتدال کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ عوام کی اکثریت غالی شیعوں پر مشتمل ہے۔ جن کا موقف یہ ہے کہ حضرت علی ﷺ امام اول بھی ہیں، وصی رسول اللہ بھی ہیں اور خلیفہ رسول اللہ بلافصل بھی ہیں، جبکہ حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی خلافتیں غاصبانہ خلافتیں تھیں (نعوذ باللہ من ذلک) اور حضرت علیؓ نے صرف تقیہ کے تحت ان اصحاب کی بیعت کی تھی، دل سے نہیں کی۔ آج کل بعض علماء اور جدید شیعہ دانشور اس سطح سے اوپر آ گئے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ جب حضرت علیؓ نے ان اصحاب کی بیعت کر لی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے خود خلافت حضرت ابوبکر، عمر، عثمان رضوان اللہ علیہم کو تفویض کر دی، لہٰذا ان کی خلافت کو ہم صحیح مانتے ہیں۔ یہ "زیدیہ" کا موقف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا موقف تقیہ کے تحت نہیں بلکہ مبنی بر حکمت اور اپنی آزادانہ رائے سے تھا۔ اس ضمن میں ایک خاص واقعہ میرے ساتھ اس دورۂ ایران کے دوران پیش آیا۔ ایک عالم دین جن کی میرے دل میں بڑی قدر ہے، ان سے ایک رات میری گفتگو ہو رہی تھی تو میں نے براہ راست ان سے خلافت راشدہ کے متعلق سوال کر دیا۔ وہ اس کے لئے ذہناً تیار نہیں تھے۔ انہوں نے فوراً کہا وہ تو غاصب تھے، خلافت حضرت علی کا حق تھا، جسے غصب کیا گیا۔ اب دوبارہ صبح بھی ان سے میری ملاقات ہونا تھی۔ وہ رات بھر سوچتے رہے ہوں گے کہ میں نے یہ کیا کہہ دیا، یہ سنی ہیں اور پاکستان سے آئے ہیں، یہ کیا تاثر لے کر جائیں گے۔ چنانچہ صبح جب ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے تفصیل کے ساتھ اپنی بات بیان کی جو بڑی ذہانت پر مبنی تھی۔ کہنے لگے کہ ہم اس بات پر جمع ہو سکتے ہیں کہ امامت اور ولایت تو روز اول سے حضرت علیؓ ہی کی ہے،

لیکن جیسے ہم نے جدید ایران میں کیا ہے کہ ایک طرف حکومت ہے، پارلیمنٹ ہے، صدر، وزراء اور حکومتی مشینری ہے، جبکہ دوسری طرف ہمارا ولایت فقیہ کا معاملہ ہے کہ علماء کی ایک باڈی ہے جس میں خامنہ ای ہیں جو رہبر ہیں۔ تو اسی طرح کا معاملہ خلفائے ثلاثہؓ اور حضرت علیؓ کا ہے۔ گویا (ان کی تعبیر کے مطابق) حضرت علیؓ کو خامنہ ای کی جگہ پر سمجھا جائے گا اور ابوبکرؓ و عمرؓ کو رفسنجانی کی جگہ پر۔ اب ظاہر ہے کہ ان کے مابین مفاہمت موجود ہے، تب ہی تو نظام حکومت چل رہا ہے۔ واضح رہے کہ یہ میں نے ان کی رائے بیان کی ہے، میری یہ رائے نہیں ہے۔

اس ضمن میں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ وہاں اذان اور اقامت میں حضرت علیؓ کے لئے جو اضافی الفاظ آتے ہیں ان میں "ولی اللہ" اور "حجتہ اللہ" کے الفاظ تو ضرور ہیں، لیکن "خلیفہ بلافصل" کے الفاظ نہیں ہیں۔ یہ ایک اہم مثبت نکتہ ہے اور اعتدال کی طرف ایک قدم ہو سکتا ہے۔ اس بات کا امکان بھی ہے کہ یہ ترمیم ابھی کی گئی ہو۔ اگر ایسا فی الواقع ہے تو بہت مثبت ہے کہ ایرانی اہل تشیع اعتدال کی طرف کچھ نہ کچھ پیش قدمی کر رہے ہیں۔ لیکن اگر یہ پہلے سے تھی تو بھی یہ ایک مثبت نکتہ (positive point) ہے۔ اس اعتبار سے ہوا کہ اس سے معلوم ہوا ہے کہ عوامی سطح پر بھی ایرانی شیعیت کچھ اور ہے اور پاکستانی شیعیت کچھ اور۔

☆ فقہ پر زور: تیسرا منفی تاثر فقہ کے معاملے میں ہے۔ چونکہ یہ حکومت علماء کی ہے اور روایتی علماء کے ہاں فقہ کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ اس لئے جیسے ہمارے ہاں فقہ پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے اسی طرح وہاں بھی فقہ کو بڑی اہمیت دی جاتی ہے۔ حالانکہ فقہ اہل سنت اور فقہ جعفریہ دونوں دور ملوکیت میں مرتب ہوئی ہیں، اس لئے ان کے اندر ملوکیت کے اثرات موجود ہیں۔ مثلاً امام اعظم ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ تینوں حضرات نے مزارعت کی حرمت کا فتویٰ دیا تھا، لیکن بعد میں جب ملوکیت کی چھاپ پڑی تو صاحبین نے مزارعت کے جواز کا فتویٰ دے دیا۔ اسے آپ چاہے مجبوری کہیں یا کچھ اور کہیں، بہرحال جب ملوکیت آگئی تو اس کے اثرات تو پڑنے ہی تھے، جیسے مارشل لاء آجاتا ہے تو پھر سپریم کورٹ کیا کر سکتی ہے۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی مزارعت اور

مضاربت جیسے معاملات کو اسی طرح سے "اسلامی" بنایا گیا تھا جس طرح ضیاء الحق صاحب کے زمانے میں ہمارے نظام بینکاری اور معاشی و اقتصادی نظام کو "اسلامی" بنایا گیا' ورنہ اس میں نظام اسلامی کا اصل حصہ یعنی سیاسی' سماجی اور معاشی انصاف کا عنصر تو موجود نہیں ہے۔

☆ سنی مساجد کی تعمیر پر پابندی: جہاں تک دستور کا معاملہ ہے وہ ایک فقہ' فقہ جعفریہ پر استوار ہے اور یہی پبلک لاء ہے' البتہ دستور کے مطابق پرسنل لاء میں تمام لوگوں کو اپنی اپنی فقہ کے مطابق عمل کرنے کی آزادی حاصل ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس پر تو عمل درآمد بھی ہوتا ہے۔ ہم نے خود شیعہ حضرات کے ساتھ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھی ہے' اسی طرح نماز سے قبل ہم نے اپنے سامنے رکھی ہوئی خاک کربلا کی ٹکیاں ہٹائی ہیں' لیکن کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا' اس لئے کہ مذہبی آزادی ہے۔ البتہ تعمیر مساجد کے بارے میں گورنمنٹ کا موقف یہ ہے کہ ہم شیعہ اکثریت کے علاقے میں سنی مسجد نہیں بننے دیتے بلکہ سنیوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ شیعہ کے ساتھ اپنے طریقے کے مطابق نماز پڑھیں اور سنی اکثریت کے علاقے میں شیعہ مسجد نہیں بننے دیتے بلکہ شیعوں کو مجبور کرتے ہیں کہ سنیوں کے پیچھے اپنے طریقے کے مطابق نماز پڑھیں۔ یہ تو اللہ کا شکر ہے کہ شیعہ اور سنی نماز میں اتنا فرق نہیں جو اکٹھے نماز پڑھنے میں مانع ہو' کیونکہ قیام' رکوع و سجود اور جلسہ وغیرہ کی ترتیب ساری یکساں ہے۔ لیکن یہ کہ اس "اصول" پر عمل درآمد نہیں ہوتا' بلکہ دوہرا معیار اپنایا جاتا ہے۔ چنانچہ ہم نے تحقیق بھی کی اور وہاں کے ایک سنی عالم دین سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بھی اس کی تصدیق کی اور کہا کہ ایرانی بلوچستان میں پہلے سے بھی شیعہ مساجد قائم ہیں اور اب نئی بھی بن رہی ہیں' کیونکہ وہاں کے شیعہ سنیوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے' لیکن تہران میں گورنمنٹ کوئی سنی مسجد بنانے کی اجازت نہیں دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ تہران میں سنی بشمول پاکستانی سفارت خانے کے عملے کے ایک سکول میں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ سکول کی حالت بھی زیادہ اچھی نہیں ہے۔ اس کے لئے پاکستان بڑی عمارت خریدنا چاہتا ہے لیکن کسی وجہ سے اجازت نہیں مل رہی ہے۔ بہرحال مساجد کی تعمیر کے حوالے سے یہ رویہ صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ اگر سنیوں کو شیعہ اکثریت کے

علاقوں میں مسجد تعمیر کرنے کی اجازت نہیں تو پھر شیعوں کو ایرانی بلوچستان میں مساجد تعمیر کرنے کی اجازت کیونکر ہے؟

اس ضمن میں میں حسن ظن سے کام لے رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ شاید شیعہ عوام میں ابھی تک اعتدال پیدا نہیں ہو سکا۔ اس لئے شاید ان کا لحاظ کیا جا رہا ہے' لیکن بہرحال میرے نزدیک ایران کے دستور میں پرسنل لاء کے معاملے میں جو آزادی دی گئی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ سنی مساجد بنانے کی آزادی بھی لازماً دینی چاہئے۔

☆ **تھیوکریسی اور وحدانی طرز حکومت** : میرے نزدیک جو جدید اسلامی ریاست خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی بنیاد پر قائم ہو گی اس کا تصور (جو میں نے خطبات خلافت میں تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے) یہ ہے کہ ایک تو یہاں تھیاکریسی نہیں ہو گی' اور دوسرے یہ کہ وہ وحدانی نہیں بلکہ وفاقی طرز کی ہو گی' لیکن ایران میں یہ دونوں چیزیں اس کے برعکس ہیں۔ ایک یہ کہ بنیادی طور پر وہاں تھیوکریسی (علماء کی حکومت) ہے' دوسرے یہ کہ وہاں طرز حکومت وحدانی (unitary) ہے۔ گویا تمام اختیارات مرکز کو حاصل ہیں' صوبوں میں صوبائی اسمبلیاں تک نہیں ہیں' صرف گورنر ہیں' جو مرکز کی جانب سے نامزد کئے جاتے ہیں۔

میں ان دونوں چیزوں کو صحیح نہیں سمجھتا' اس لئے کہ میرے نزدیک تھیوکریسی بھی روح عصر کے منافی ہے اور وحدانی طرز حکومت بھی روح عصر سے مطابقت نہیں رکھتی۔ روح عصر سے ہم آہنگ ہونے کے لئے وفاقی طرز کی حکومت ہو اور صوبوں کو زیادہ سے زیادہ خود مختاری دی جائے۔

اس حوالے سے وہاں بعض علماء سے میری گفتگو ہوئی اور دوران گفتگو مجھے شدید ضرورت محسوس ہوئی کہ ہمیں "خطبات خلافت" کا فارسی ترجمہ جلد از جلد شائع کرا دینا چاہئے تاکہ یہ وہاں پہنچ جائے اور وہ ہمارے نظریات سے واقف ہو سکیں کہ ہم مستقبل کی اسلامی ریاست کے بارے میں کیا تصور رکھتے ہیں۔ یعنی خلافت اسلامی قائم ہوئی تو وہ کس طرز پر ہو گی۔

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات○○

قرآن حکیم کا بنیادی پیغام
اور اس کے چار لوازم
قرآن کالج میں تقریب تقسیم اسناد سے خطاب

مولانا گوہر رحمٰن صاحب (مردان)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم○ بسم اللہ الرحمن الرحیم○

﴿ وننزل من القران ما ھو شفاء ورحمہ للمومنین ولا یزید الظالمین الا خسارا○ ﴾ (الاسراء : ۸۲)

قرآن کالج کا یہ جلسہ تقسیم اسناد دراصل قرآن حکیم ہی کی تقریب ہے اور دعوت رجوع الی القرآن کی تحریک کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس تحریک کو کامیابی عطا فرمائے۔ میں اس سلسلے میں سب سے پہلے محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا مقصد بیان کرنا چاہتا ہوں۔ یہ تمام باتیں پہلے سے آپ کے علم میں ہیں لیکن تذکیر اور یاد دہانی اور ایک دوسرے کے سامنے سبق دہرانے کی ضرورت ہمیشہ رہتی ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا مقصد اور اصل ہدف یہ ہے کہ اس دنیا میں اللہ کی عبادت کا نظام قائم ہو جائے اور اللہ سے بغاوت پر مبنی تمام نظام ختم ہو جائیں۔ اس لئے کہ خود انسان کی تخلیق کا مقصد سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : ﴿ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون○ ﴾ (الذاریات : ۵۶) "میں نے جنات اور انسانوں کو اسی مقصد کے لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں"۔ اور ﴿ وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین○ ﴾ (البینہ : ۵) "انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے"۔ تمام انبیاء کی نبوت اور رسالت کا بھی یہی مقصد تھا۔ ارشاد الٰہی ہے : ﴿ وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون○ ﴾ (الانبیاء : ۲۵) "ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف یہ وحی کی کہ کوئی معبود نہیں ہے سوائے میرے، پس میری ہی عبادت کرو"۔ ﴿ ولقد

بعثنا فی کل امة رسولا ان اعبدوا اللہ واجتنبوا الطاغوت ﴾ (النحل : ۳۶) "بے شک ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (اس حکم کے ساتھ) کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو"۔ اسی طرح قرآن مجید کی رو سے تمام رسولوں نے اپنی اپنی قوموں کو یہی نصیحت کی کہ ﴿ یقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ ﴾ (الاعراف : ۶۰، ۶۵، ۷۳ وغیرہ) "اے میری قوم، اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے"۔

ان آیات کا مفہوم یہی ہے کہ سارے انبیاء اسی مقصد کے لئے بھیجے گئے تھے کہ دنیا سے طاغوتی نظام کا خاتمہ ہو اور اللہ کی عبادت کا نظام قائم کر دیا جائے۔ حضور ﷺ کا مقصد بعثت بھی یہی تھا، اور آپ ﷺ کے عظیم کام کا آغاز رجوع الی القرآن ہی سے ہوا تھا۔ اوامر قرآنی میں سب سے پہلا امر اور اللہ کے احکام میں سب سے پہلا حکم یہی نازل ہوا تھا کہ قرآن پڑھو : ﴿ اقرا باسم ربک الذی خلق ○ ﴾ (العلق : ۱) "پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا"۔ قرآن پڑھو اور پڑھاؤ۔ لہٰذا اسلامی نظام کے قیام کے لئے اور اللہ کی عبادت کے نظام کو غالب کرنے کے لئے شرط لازم رجوع الی القرآن ہے۔ اس کے بغیر دوسرے بہت سے نظام آئیں گے اور جائیں گے، لیکن اسلام کا نظام قائم نہیں ہو سکتا۔

قرآن کا اصل پیغام تین بنیادی ایمانیات پر مبنی ہے، یعنی توحید، رسالت اور آخرت۔ توحید کا حاصل یہ ہے کہ اس کائنات کا بادشاہ اور حاکم ایک ہی ہے۔ رسالت کا مطلب یہ ہے کہ اس بادشاہ حقیقی کے مستند نمائندے انبیاء علیہم السلام ہیں اور (ختم نبوت کے بعد) انسانیت کے حقیقی رہنما اب محمد ﷺ ہیں جن کی تعلیمات ہمارے پاس (محفوظ حالت میں) موجود ہیں۔ سوائے انبیائے کرام اور خاتم النبیین کے کسی اور سے رہنمائی نہیں لی جا سکتی۔ آخرت پر ایمان کا حاصل یہ ہے کہ یہ دنیا ہمارا اصل وطن نہیں ہے، یہ دنیا ہماری مستقل قیام گاہ نہیں ہے۔ یہ دنیا فانی ہے اور اصل زندگی موت کے بعد آنے والی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دنیا میں ترقی نہ کرو۔ دین کی یہ تعلیم یقیناً نہیں ہے۔ قرآن نے تو یہ کہا ہے کہ ﴿ ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ○ ﴾ (البقرہ : ۲۹) "وہی ہے جس نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے جو کچھ زمین میں ہے"۔ دین کی تعلیم تو یہ ہے کہ دنیا تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے، اس دنیا کو سمجھو، اس دنیا کو ترقی دو، اس دنیا کو آباد رکھو، اس دنیا کی چیزوں سے فائدہ اٹھاؤ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ قل من حرم زینة اللہ التی اخرج لعبادہ ﴾ (الاعراف : ۳۲) "آپ ﷺ کہئے کہ کس نے اللہ کی پیدا کردہ زینت کو حرام کیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی ہے؟" کوئی بھی اسے حرام نہیں کر سکتا۔ اس سے فائدہ اٹھانے میں کوئی حرج نہیں۔ ﴿ لم تحرم ما احل اللہ لک ﴾ (التحریم : ۱) "آپ ﷺ کیوں حرام کرتے ہیں اپنے لئے جسے اللہ نے حلال کیا ہے؟"

دین کی تعلیم تو یہ ہے کہ دنیا کو آباد رکھو۔ قرآن مجید کا ایک فقرہ ہے ﴿ ھو انشاکم من الارض واستعمرکم فیھا ﴾ (ہود : ۶۱) "اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اس میں

بسایا"۔ اس کی تفسیر میں امام جصاص نے لکھا ہے کہ اس کا مفہوم اور اس میں ہدایت یہی ہے کہ دنیا کو آباد رکھو۔ لیکن دنیا کی کامیابی زندگی کا مقصد نہیں ہے۔ دراصل دنیا تو زندگی کا ذریعہ ہے۔ یہ اسلام کی تعلیم ہے کہ دنیا کو زندگی کا ذریعہ سمجھو مگر زندگی کا مقصد نہ بناؤ۔ یہ ہے توحید، رسالت اور آخرت کا مفہوم۔ یہ قرآن کا بنیادی پیغام ہے۔ اس بنیادی پیغام کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان اپنی انفرادی زندگی میں بھی اللہ کا بندہ بن کر رہے اور اللہ کی زمین پر اللہ کی بندگی کا اجتماعی نظام قائم کرے جس کو اسلامی نظام بھی کہا جا سکتا ہے۔

قرآن کے اس بنیادی پیغام کو عملی شکل دینے کے لئے لائحہ عمل کیا ہے؟ میں جہاں تک سمجھا ہوں تو اس لائحہ عمل کے چار مراحل معلوم ہوتے ہیں۔ پہلی بات ہے علم کا حصول۔ قرآن و سنت اور دین کا علم حاصل کئے بغیر نہ اجتماعی نظام تبدیل ہو سکتا ہے اور نہ انفرادی زندگی کو اسلام کے مطابق بنایا جا سکتا ہے۔ قرآن و سنت کے پختہ علم کے بغیر اسلامی نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((انما بعثت معلما)) کہ میں دین کا معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ قرآن حکیم میں رسول اللہ ﷺ کے فرائض بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ﴾ (آل عمران: ۱۶۴) "بے شک اللہ نے مومنوں پر بڑا انعام فرمایا جب اس نے بھیجا ان میں سے ان ہی میں ایک رسول، جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں تعلیم دیتا ہے کتاب اور حکمت کی۔ ﴿وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین ○﴾ (آل عمران: ۱۶۴) "اور اس سے پہلے تو وہ صریح گمراہی میں تھے"۔ مفہوم بالکل واضح ہے کہ قرآن و سنت کی تعلیم کے ذریعے گمراہی کا ازالہ ہو گا، قرآن و سنت کی تعلیم کے ذریعے نفوس کا تزکیہ ہو گا۔ قرآن و سنت کی تعلیم کے ذریعے فکری انقلاب آئے گا جس کے نتیجے میں اسلامی انقلاب آئے گا۔ لہٰذا پہلی بات ہے دین کا سیکھنا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ((خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ)) یہ بخاریؒ اور مسلمؒ کی متفق علیہ روایت ہے، یعنی سند کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ پایہ کی روایت ہے۔ اس کے راوی حضرت عثمانؓ بھی ہیں اور حضرت علیؓ بھی۔ "خیر" کے معنی ہیں "ما کثر نفعہ" اس حدیث کا مطلب جو ہم نے علماء سے سیکھا ہے وہ یہ ہے کہ انسانیت کو سب سے زیادہ نفع پہنچانے والا انسان وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور اسے اوروں کو سکھا رہا ہے۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: "اللھم ارحم خلفائی" اے اللہ میرے خلفاء پر رحم فرما۔ پوچھا گیا کہ آپؐ کے وہ خلفاء کون ہیں جن کے لئے اتنے اخلاص سے آپؐ نے دعا کی۔ ظاہر ہے کہ حضور کے خلفاء تو اسلامی ریاست اور حکومت کو چلانے والے ہیں، لیکن یہاں حضورؐ کی مراد کچھ اور تھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ جو لوگ قرآن سیکھتے ہیں اور دوسروں کو سکھاتے ہیں وہ میرے خلفاء ہیں۔ یہ لوگ میرا کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح ایک اور روایت کے مطابق حضورؐ نے فرمایا: ((من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین)) "جس شخص کے بارے میں اللہ نے خیر کا ارادہ کر لیا ہو (یعنی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کیا ہو کہ اس کو بڑا رتبہ اور فضیلت دوں گا) اور اسے

انسانیت کے لئے نفع بخش بناؤں گا) تو وہ اسے دین کی سمجھ اور تفقہ عطا فرما دیتا ہے"۔

دوسری بات ہے دین پر عمل کرنا۔ اس کی تشریح ہو گئی کہ جو شخص دین کا علم ہی نہیں رکھتا اس کا عمل صحیح نہیں ہو گا' اور جو شخص جانتا ہے لیکن عمل نہیں کرتا تو اس بے عمل انسان کے ذریعے اسلامی نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ دین پر عمل نہ کرنے والا شخص نہ اپنے گھر اور خاندان کو متاثر کر سکتا ہے اور نہ ماحول اور معاشرے کو۔

تیسری بات ہے "دعوت الی الدین" یعنی جو کچھ تم نے سیکھا اور جس پر عمل کیا اسی کی طرف لوگوں کو بلاتے رہو۔ دین کی طرف دعوت دینا نبیؐ کا بھی کام ہے اور امتیوں کا بھی۔ اور کل دین کی طرف دعوت دینا ضروری ہے۔ شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہؒ سے کسی نے پوچھا کہ عبادت کے معنی کیا ہیں۔ آپؒ نے جواب دیا کہ "العباده هی اسم جامع لکل ما یحبه الله ویرضاه" یعنی عبادت کا لفظ ان تمام امور پر حاوی ہے جو اللہ کو پسند ہیں اور جن سے وہ راضی ہوتا ہے۔ پھر شیخ الاسلام نے مثالیں دے کر فرمایا "الدین کله داخل فی العباده"۔ کل کا کل دین لفظ عبادت میں داخل ہے۔

یہ نکتہ اصل میں تو قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے لیکن ہم علماء کا حوالہ اس لئے دیتے ہیں تاکہ بات آسانی سے اور جلدی سمجھ میں آ جائے۔ پورے دین پر عمل کرنے کا نام اللہ کی عبادت ہے' لہٰذا دعوت الی الدین کا مطلب یہ ہوا کہ پورے دین کی طرف لوگوں کو بلانا ہے۔ دین میں نماز اور زکوٰۃ کا نظام بھی ہے اور اقتصادی و معاشی نظام بھی۔ معاشرتی نظام بھی ہے اور شادی و غمی سے متعلق ہدایات بھی۔ سیاست و حکومت کا نظام بھی ہے اور عدالت کا بھی۔ زندگی کے ہر شعبے کے متعلق دین کے احکام موجود ہیں۔ ان کو سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو اس پورے دین کی طرف بلانا بھی ضروری ہے۔ جیسے جیسے دین کی تعلیمات لوگوں کی سمجھ میں آتی جائیں گی اسی تناسب سے ہم اسلامی نظام کے قریب ہوتے جائیں گے۔

چوتھی بات کیا ہے؟ دین کی راہ میں' دین کے دشمنوں کے شر سے خود دین کو اور مسلمانوں کو خطرات و مشکلات پیش آئیں تو ثابت قدمی اور صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا جائے اسے استقامت کہتے ہیں۔ لہٰذا دین کو سیکھنا' اس کی تعلیمات پر عمل کرنا' دین کی طرف دعوت دیتے رہنا' اور اس راستے میں ہر سختی کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرنا---- یہ وہ چار نکات ہیں جو ہم نے سمجھے ہیں کہ ان کے مطابق ہم سب کو کام کرنا چاہئے۔

اللہ نے چاہا تو قرآن اکیڈمی اور قرآنی تعلیم کے دوسرے مراکز کی بدولت ملک میں قرآنی نظام آ جائے گا۔ دعا ہے کہ اللہ رب العالمین جلد وہ دن لائے کہ ہمارا ملک قرآن اور اسلام کے نور سے روشن ہو جائے اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے دین اور شریعت پر مبنی اجتماعی نظام یہاں قائم ہو جائے۔

میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ہم جیسے طالب علموں کو بلایا اور بات کرنے کا موقع دیا۔ ہمارے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ درحقیقت اختلاف تین اقسام کا

ہوتا ہے۔ ایک اختلاف اصول اسلام میں ہوتا ہے' یعنی مسلمان اور کافر کے درمیان اختلاف' کفار کے ساتھ بھی ہم مسلمانوں کی ذاتی دشمنی نہیں ہے' ہم ان تک دین کا پیغام پہنچاتے ہیں لیکن ان سے اتحاد اس لئے ممکن نہیں کہ یہاں اصول اسلام میں اختلاف سامنے آجاتا ہے۔ دوسری قسم کا اختلاف ہے اصول اہل سنت میں اختلاف۔ اہل سنت کس کو کہتے ہیں؟ "ما انا علیہ واصحابی" کی رو سے سنت رسول اللہ ﷺ اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے تابعداروں کو اہل سنت کہتے ہیں۔ یہاں بھی ہمارا کوئی اختلاف نہیں کیونکہ ہم سب اہل سنت ہیں۔ تیسری قسم کا اختلاف فروعی اور اجتہادی مسائل میں ہوتا ہے۔ ان معاملات میں اگر علمی اور تحقیقی اختلاف ہو' بشرطیکہ اجماع امت کے خلاف نہ ہو' نفسانیت پر مبنی نہ ہو' ایک دوسرے کی تذلیل اور تفسیق کا ذریعہ نہ بنے' تو ایسا اختلاف امت کے اتحاد کے منافی نہیں۔ اس نوعیت کا اختلاف صحابہؓ میں بھی تھا لیکن وہ پھر بھی امت واحدہ تھے۔ ہمارا دین ایک ہے اور یہ امت' امت واحدہ ہے۔

چوتھی قسم کا اختلاف وہ ہے جو تعصبات پر مبنی ہوتا ہے۔ یہ امت کو نقصان پہنچانے والا اور پارہ پارہ کرنے والا اختلاف ہے۔ نسلی تعصب' علاقائی تعصب' قبیلے کا تعصب' زبان اور فرقے کا تعصب اس کی اقسام ہیں۔ یا پارٹی یا حزب کا تعصب کہ میری ہی پارٹی حق پر ہے' باقی سب کافر ہیں۔ یہ موقف سراسر غلط ہے۔ حکومت تو محمد مصطفیٰ ﷺ کے تابعداروں کی ہونا چاہئے خواہ وہ کسی بھی پارٹی سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص کی دولت سے نوازے تو ان شاء اللہ کوئی اختلاف نہیں ہوگا۔

باقی رہا تدبیر اور حکمت عملی کا اختلاف تو ایسا اختلاف نہ ضلالت ہے نہ کفر' نہ فسق ہے اور نہ فجور۔ اگر تدبیر کے معاملے میں کوئی غلطی بھی کر بیٹھے جبکہ نیت اور اخلاص درست ہو تو ایسے شخص کو تدبیر کی غلطی کے باوجود اللہ تعالیٰ اجر دے گا۔ ممکن ہے کہ اسلام کے کام کے لئے کوئی ایک تدبیر کو زیادہ مفید سمجھتا ہو اور دوسرا کسی اور تدبیر کو بہتر سمجھتا ہو۔ اس معاملے میں باہمی تبادلہ خیال اور افہام و تفہیم جاری رہنا چاہئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○○

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

مذہبی جماعتوں کے باہمی تعاون کے ضمن میں تنظیم اسلامی کی مساعی

مرتبہ : (حافظ) عاکف سعید
ناظم مکتبہ تنظیم اسلامی پاکستان

تنظیم اسلامی کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ یہ ایک انقلابی جماعت ہے جو مسلکی و گروہی تعصبات سے بلند تر رہتے ہوئے نفاذ دین کے لئے جدوجہد کر رہی ہے۔ دینی جماعتوں کے بارے میں عام تاثر یہ ہے کہ ہر جماعت اپنے ہی خول میں بند ہے اور ان کے قائدین باہم اتحاد و اتفاق کی فضا قائم کرنے اور آپس کے اختلافات کو کم کرنے کی بجائے باہم دگر برسرپیکار رہتے ہیں۔ یہ تاثر کچھ اتنا غلط بھی نہیں ہے، لیکن بحمد اللہ تنظیم اسلامی اور اس کے امیر کا یہ امتیازی وصف ہے کہ انہوں نے دیگر دینی جماعتوں اور شخصیات کے باہمی اختلافات کو سمجھنے، انہیں کم کرنے اور ان کے ساتھ اشتراک عمل کی خصوصی طور پر کوششیں کی ہیں۔ ان کوششوں اور مساعی کی کسی قدر تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ تنظیم اسلامی کے امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب پر یہ اللہ کا خصوصی فضل رہا کہ انہوں نے ابتداء ہی سے مختلف مکاتب فکر کے علماء و اکابرین سے ربط ضبط رکھا اور ان سے نہ صرف یہ کہ علمی و نظری استفادہ کرنے میں کبھی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی بلکہ ان کے مابین فکری و عملی سطح پر ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوششیں بھی مسلسل جاری رکھیں۔ تنظیم اسلامی کی تاسیس سے تین سال قبل ۱۹۷۲ء میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مرکزی انجمن خدام القرآن کے نام سے خدمت قرآنی کا ادارہ تشکیل دیا تھا۔ احباب جانتے ہیں کہ ۱۹۷۲ء سے لے کر سال رواں یعنی ۱۹۹۶ء تک، مرکزی انجمن خدام القرآن کے تحت ہر سال منعقد ہونے والی قرآن کانفرنسوں / محاضرات قرآنی میں محترم ڈاکٹر

صاحب مختلف مسالک اور مکتبہ ہائے فکر کے علماء و دانشور حضرات کو مدعو کر کے انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا اہتمام کرتے اور قرآن حکیم کی بنیاد پر ان کے درمیان فکری فاصلوں کو کم کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ قرآن کانفرنس کی کسی نشست کے صدر اگر دیوبندی مکتبہ فکر کے جید عالم ہیں تو مہمان خصوصی بریلوی مسلک کے چوٹی کے علماء میں سے ہیں اور ان کی موجودگی میں تقریر کرنے والے کوئی فاضل مقرر اہل حدیث مسلک سے تعلق رکھتے ہیں' یا اس کے برعکس بھی معاملہ دیکھنے میں آیا کہ صدارت بریلوی مکتبہ فکر کے عالم کر رہے ہیں اور مہمان خصوصی کسی دوسرے مسلک سے متعلق ہیں۔ علی ھذا القیاس---ڈاکٹر صاحب محترم مختلف مکتبہ ہائے فکر کے جن علماء کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے استفادہ کرتے رہے ان میں مولانا سید حامد میاںؒ' مولانا مفتی محمد حسین نعیمیؒ' مولانا محمد مالک کاندھلویؒ اور مولانا محمد حنیف ندویؒ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ طالب علمی کے دور میں موصوف کا بڑا قریبی رابطہ مولانا داؤد غزنویؒ اور ان کے خانوادے سے بھی رہا۔

۲ ۔ جون ۱۹۸۲ء میں جب محترم ڈاکٹر صاحب کے ٹیلیویژن پروگرام الہدیٰ کو بند کرنے کے سلسلے میں مغربی تہذیب کی دلدادہ خواتین نے مظاہرہ کیا تو میاں طفیل صاحب نے جو ان دنوں جماعت اسلامی کے امیر تھے' ڈاکٹر صاحب کے موقف کی حمایت کرتے ہوئے مغرب زدہ خواتین پر تنقید کی تھی اور حکومت وقت سے الہدیٰ پروگرام کو جاری رکھنے کا مطالبہ کیا۔ انہی دنوں لاہور میں تعلیم القرآن کے نام سے منعقد ہونے والی ایک کانفرنس میں میاں طفیل محمد صاحب نے جملہ مسلمانان پاکستان کو دعوت دی تھی کہ وہ اسلام اور قرآن کی اساس پر متحد ہو جائیں۔ اس پر محترم ڈاکٹر صاحب نے فوری طور پر میاں طفیل صاحب کے اس اقدام کو سراہتے ہوئے انہیں ایک مراسلہ بھیجا جس میں اتحاد کے لئے موصوف سے شرائط اور طریقہ کار کی وضاحت چاہی۔ میاں صاحب کی جانب سے جلد ہی "صاف" جواب موصول ہو گیا کہ آپ سے (یعنی ڈاکٹر اسرار احمد سے) کسی قسم کا اتحاد نہیں ہو سکتا۔ تاہم ان کی جانب سے یہ مشورہ دیا گیا کہ دونوں تحریکیں اپنے اپنے

طریقہ کار اور پالیسی کے مطابق اقامت دین کا کام مثبت انداز میں جاری رکھیں اور ایک دوسرے کے کام کو پبلک پلیٹ فارم یا پریس میں ہدف ملامت و نکتہ چینی نہ بنائیں۔

بعد میں جماعت اسلامی کے موجودہ امیر محترم قاضی حسین احمد صاحب کی اسی طرح کی عوامی پیشکش کے نتیجے میں ڈاکٹر صاحب محترم دو مرتبہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے مفصل تبادلہ خیال کیا لیکن امیر جماعت اسلامی کی جانب سے اس ضمن میں کوئی قابل ذکر مثبت پیش رفت سامنے نہیں آئی۔

۳ ۔ فروری ۸۵ء میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے تصور فرائض دینی پر مشتمل ایک مختصر تحریر اہل سنت کے تمام معروف مکاتب فکر کے ۶۰ سے زائد جید علماء کرام اور دیگر صاحبان علم و فضل کی خدمت میں اس درخواست کے ساتھ بھجوائی کہ اگر وہ اس میں کسی اعتبار سے کوئی کجی یا خامی محسوس فرمائیں تو اس پر متنبہ کریں۔ یہی تحریر ماہنامہ میثاق کے مارچ ۸۵ء کے شمارے میں بھی شائع کر دی گئی اور ان علماء کرام کے اسماء گرامی کی مکمل فہرست بھی شائع کی گئی جن کو یہ تحریر بڑے اہتمام کے ساتھ بھجوائی گئی تھی۔ اس مقصد کے لئے ڈاکٹر صاحب محترم نے ۲۳ تا ۲۸ مارچ ۸۵ء چھ روزہ سیمینار کا بھی اہتمام کیا جس میں تنظیم اسلامی اور انجمن خدام القرآن لاہور سے وابستہ پانچ صد سے زائد رفقاء و احباب شریک ہوئے۔

یہ ایک نہایت منفرد قسم کا اجتماع تھا۔ دینی جماعتوں کی تاریخ میں اس سے قبل اس قسم کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی انقلابی جماعت کے قائد نے تمام قابل ذکر مکاتب فکر کے علماء کرام کو اپنے پلیٹ فارم پر دعوت دی ہو کہ وہ آکر اس جماعت کے ارکان کے سامنے اس کے قائد کے افکار اور تصور دین کو تنقید کا نشانہ بنائیں۔ چھ روزہ سیمینار میں مختلف مکاتب فکر کے ۲۱ علماء کرام اور اہل علم و فضل حضرات نے مجوزہ تحریر کے حوالے سے اظہار خیال کیا۔ یہ بڑا اہم موقع تھا جہاں مختلف الخیال اور مختلف مسالک سے متعلق اہل علم حضرات مل بیٹھے اور انہوں نے غلبہ دین کی جدوجہد کے حوالے سے باہم ایک دوسرے سے استفادہ کیا۔ اس سیمینار میں شرکت کرنے والے نمایاں علماء کرام میں مولانا

محمد مالک کاندھلوی' مفتی سیاح الدین کاکاخیل' مفتی محمد حسین نعیمی' حافظ عبد القادر روپڑی' سید عنایت اللہ شاہ بخاری اور مولانا وحید الدین خان (انڈیا) شامل تھے۔ سیمینار میں تشریف لا کر اظہار خیال فرمانے والے اہل علم و دانش کی مکمل فہرست حسب ذیل ہے :

لاہور سے

(۱) مولانا محمد مالک کاندھلوی
(۲) مفتی محمد حسین نعیمی
(۳) حافظ عبد القادر روپڑی
(۴) سید محمد متین ہاشمی
(۵) پروفیسر حافظ احمد یار
(۶) ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی
(۷) حافظ عبد الرحمٰن مدنی
(۸) قاری سعید الرحمٰن علوی
(۹) ڈاکٹر خالد علوی
(۱۰) حافظ نذر احمد

بیرون لاہور سے

(۱) مفتی سیاح الدین کاکاخیل (اسلام آباد)
(۲) سید مظفر حسین ندوی (مظفر آباد)
(۳) سید عنایت اللہ شاہ بخاری (گجرات)
(۴) مولانا عبد الغفار حسن (فیصل آباد)
(۵) مولانا عبد الوکیل خطیب (کراچی)
(۶) مولانا محمد اسحٰق روپڑی (کراچی)
(۷) مولانا الطاف الرحمٰن (بنوں)
(۸) مولانا شبیر احمد نورانی (کراچی)

ہندوستان سے

(۱) مولانا وحید الدین خان (دہلی)
(۲) قاری عبد العلیم (حیدر آباد)
(۳) میر قطب الدین علی چشتی (حیدر آباد)

قارئین کی دلچسپی کے پیش نظر اور اس اہم معاملے کو ریکارڈ پر لانے کے لئے ان معزز اہل علم و دانش کے نام بھی ذیل میں دیئے جا رہے ہیں جنہیں اس سیمینار میں شرکت کا دعوت نامہ بھیجا گیا تھا لیکن وہ کسی سبب سے تشریف نہ لا سکے۔ ان میں سے بعض قابل احترام علماء نے اپنے خیالات تحریری طور پر ارسال فرما دیئے تھے (ان علماء کرام میں سے کئی بزرگ اس عرصے میں انتقال فرما چکے ہیں۔ اللھم اغفر لھم وارحمھم) :

مولانا سید حامد میاں، لاہور
مولانا عطاء اللہ بھوجیانی، لاہور
مفتی غلام سرور قادری، لاہور
نعیم صدیقی، لاہور
مولانا اسعد گیلانی، لاہور
جسٹس محمد تقی عثمانی، کراچی
مولانا محمد یوسف، کراچی
مولانا محمد طاسین، کراچی
مولانا منتخب الحق قادری، کراچی
مفتی ولی حسن، کراچی
شاہ بدیع الدین پیر آف جھنڈا، سندھ
مولانا محمد ازہر، ملتان
مفتی زین العابدین، فیصل آباد
مولانا اسحاق چیمہ، فیصل آباد
مولانا محمد طاہر، پنج پیر
مولانا گوہر رحمٰن، مردان
جسٹس پیر کرم شاہ، سرگودھا
مولانا محمد عبداللہ، اسلام آباد
مولانا ابوالحسن علی ندوی، لکھنؤ
مولانا تقی امینی، علی گڑھ
مولانا اخلاق حسین قاسمی، دہلی
جناب شمس پیرزادہ، بمبئی

مولانا عبیداللہ انور، لاہور
علامہ احسان الٰہی ظہیر، لاہور
علامہ محمود احمد رضوی، لاہور
علامہ طاہر القادری، لاہور
جسٹس ملک غلام علی، لاہور
جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، کراچی
مولانا محمد اسحق سندیلوی، کراچی
ڈاکٹر غلام محمد، کراچی
مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی، کراچی
مولانا سلیم اللہ خان، کراچی
مولانا سعید احمد کاظمی، ملتان
مولانا اللہ بخش ایاز ملکانوی، ملتان
حکیم عبدالرحیم اشرف، فیصل آباد
ڈاکٹر محمد نذیر مسلم، رحیم یار خان
مولانا محی الدین لکھوی، اوکاڑہ
مولانا خان محمد، میانوالی
مولانا سمیع الحق، اکوڑہ خٹک
مولانا عبدالقیوم حقانی، اکوڑہ خٹک
مولانا محمد منظور نعمانی، لکھنؤ
مولانا سعید احمد اکبر آبادی، انڈیا
مولانا عبدالکریم پاریکھ، ناگ پور
قاری تقی الدین، حیدر آباد

۴ ۔ گزشتہ تین سالوں (۹۲ء تا ۹۵ء) کے دوران ان کوششوں میں مزید اضافہ ہوا۔ تنظیم اسلامی کے اٹھارویں سالانہ اجتماع منعقدہ اکتوبر ۱۹۹۶ء کے موقع پر مختلف معاصر دینی جماعتوں کے سربراہوں کو قرآن آڈیٹوریم میں تنظیم اسلامی کے پلیٹ فارم پر

جمع کرنے کا پروگرام ترتیب دیا گیا اور پاکستان میں نفاذ دین کے طریق کار پر باہم تبادلہ خیال اور ایک دوسرے کے منہج عمل کو سمجھنے کی غرض سے ایسی اہم دینی جماعتوں کے سربراہوں کو مفصل خطاب کی دعوت دی گئی جو انتخابات کی بجائے انقلابی طریقے سے پاکستان میں نفاذ دین کے لئے کوشاں ہیں۔ اس ضمن میں بریلوی مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والوں میں تحریک اسلامی انقلاب کے امیر مولانا مفتی سید جمال الدین کاظمی' سلاسل تصوف سے تعلق رکھنے والی ایک اہم شخصیت اور تنظیم الاخوان کے امیر مولانا محمد اکرم اعوان' تحریک فہم القرآن کے بانی میجر امین منہاس اور اہلحدیث مکتبہ فکر کی ایک اہم شاخ کے قائد پروفیسر محمد سعید نے اپنی اپنی تنظیم کے طریق کار کو بیان کیا۔ تبلیغی جماعت کے رہنما مولانا محمد احمد صاحب سے بھی بہاولپور میں رابطہ کیا گیا لیکن علالت کے باعث ان کا آنا ممکن نہ ہو سکا۔

بعد ازاں جنوری ۹۵ء میں اسی سلسلے کے تحت تحریک منہاج القرآن کے بانی و قائد پروفیسر طاہر القادری' ملتان کی معروف علمی شخصیت جناب عطاء المحسن اور لاہور کے معروف سکالر ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک کو دعوت خطاب دی گئی۔ ان حضرات نے رفقائے تنظیم کے سامنے نفاذ دین کے طریق کار کے ضمن میں اپنے اپنے موقف کو واضح کیا۔ ان تمام پروگراموں میں (بشمول ۸۵ء کے تاریخی سیمینار کے) امیر تنظیم اسلامی نے میزبان کی حیثیت سے محض سامع کے طور پر شرکت کی اور مہمان مقررین کو اظہار خیال کا بھرپور موقع دیا۔ اس طرح کی کوئی اور مثال کسی دوسری جماعت کی جانب سے ہمارے علم کی حد تک تاحال سامنے نہیں آئی۔

۵ ۔ الاخوان کے امیر مولانا محمد اکرم اعوان سے ڈاکٹر صاحب نے اسی حوالے سے کئی خصوصی ملاقاتیں بھی کیں۔ ایک خصوصی ملاقات کے لئے ڈاکٹر صاحب آن کے مرکز منارہ (چکوال) بھی تشریف لے گئے۔ بعد ازاں مولانا محمد اکرم اعوان کو اپنے ہاں قرآن اکیڈمی بھی مدعو کیا اور پاکستان میں نفاذ دین کے لئے کسی مشترکہ پلیٹ فارم کی تشکیل پر تبادلہ خیال ہوا۔ اس ضمن میں اس تجویز پر اتفاق ہوا کہ ابتدائی قدم کے طور پر دونوں

تنظیموں کی صف دوم کے اکابر پر مشتمل ایک مذاکراتی ٹیم تشکیل دی جائے جو اشتراک عمل کی مختلف تجاویز پر غور کرے اور کوئی قابل عمل لائحہ عمل تجویز کرے۔ چنانچہ دونوں جانب سے ایک بااختیار کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس کی متعدد نشستیں قرآن اکیڈمی لاہور میں منعقد ہوئیں۔ کارکنوں کے درمیان باہمی ربط ضبط بڑھانے اور مشترکہ پلیٹ فارم پر عوامی جلسے کرنے کے حوالے سے تجاویز پر مفصل گفتگو ہوئی جس کے نتیجے میں درج ذیل امور پر اتفاق ہوا :

i) موجودہ استحصالی اور ظالمانہ نظام جو کہ اللہ تعالیٰ سے بغاوت پر مبنی ہے' کو ختم کر کے نظام خلافت یعنی رب کی دھرتی پر رب کا نظام نافذ کرنے کے لئے جدوجہد کی ضرورت ہے۔

ii) نظام کی تبدیلی ملک میں مروجہ انتخابات کے ذریعے ناممکن ہے۔ اس کے لئے انقلابی طریقہ کار اختیار کرنا ہوگا۔

وہ طریقہ کیا ہو' اس سلسلے میں بات کو آگے بڑھانے کے لئے اور مشترکہ حکمت عملی کے لئے متفق نکات تک پہنچنے کی خاطر ابتدائی قدم کے طور پر مندرجہ ذیل اقدامات کئے جائیں گے :

ا) اپنی اپنی جماعت کے ممبران کو ہدایات جاری کی جائیں کہ وہ ایک دوسرے کے پروگراموں اور اجتماعات میں شرکت کریں۔

ب) اپنے اپنے زیر انتظام تعلیمی اداروں کے طلباء کو آپس میں visit کرنے' تقریری مقابلوں' کھیلوں اور دوسری سرگرمیوں میں حصہ لینے کے مواقع فراہم کئے جائیں۔

ج) لٹریچر کا تبادلہ کیا جائے۔ فری تقسیم کا لٹریچر بھی ایک دوسرے کو مہیا کیا جائے۔

د) مشترکہ عوامی جلسوں کا انتظام جن میں مشترک نکات بیان ہوں اور مختلف فیہ نکات زیر بحث نہ لائے جائیں۔

ھ) دونوں تنظیموں سے چند ذمہ دار افراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو اس بات کا اہتمام کرتی رہے کہ آپس میں طے شدہ امور پر مناسب طریق سے عمل کا اہتمام کرایا جائے۔

چنانچہ اس ضمن میں تنظیم اسلامی کی جانب سے پیش قدمی کرتے ہوئے مئی ۹۵ء میں تنظیم اسلامی کے تحت منعقدہ والٹن روڈ پر ایک بڑے عوامی جلسے میں مولانا محمد اکرم اعوان صاحب کو دعوت خطاب دی گئی جو انہوں نے کمال مہربانی سے منظور فرمائی۔ اس موقع پر

دونوں تنظیموں کے رہنماؤں یعنی امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور تنظیم الاخوان جناب محمد اکرم اعوان صاحب نے ایک دوسرے کی موجودگی میں خطاب کیا ------ تاہم بعد میں تنظیم "الاخوان" کی جانب سے کسی واضح لائحہ عمل کے سامنے نہ آنے کے سبب مذکورہ بالا بااختیار کمیٹی کی بات چیت آگے نہ بڑھ سکی۔

دوسری جانب یہ صورتحال نہایت ہی افسوسناک ہے کہ تنظیم اسلامی کی جانب سے کی گئی ان قابل قدر مساعی کے باوجود کسی ایک جماعت کی طرف سے بھی امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر صاحب کو اپنے پلیٹ فارم پر اظہار خیال کی بھی دعوت نہیں دی گئی' اور نہ ہی اس مشن کو آگے بڑھانے کے لئے کسی دوسری جماعت نے مشاورتی میٹنگ کا بھی اہتمام کیا۔ بعض جماعتوں کے قائدین کی جانب سے تنظیم اسلامی کی ان مساعی کے جواب میں بعض مواقع پر اس عزم کا اظہار بھی ہوا کہ مجوزہ مقاصد کے حصول کے لئے آئندہ وہ بھی اپنے ہاں ایسے پروگرام کریں گے' لیکن "اے بسا آرزو خاک شدہ" کے مصداق تاحال اس قسم کی کوئی کوشش کسی دوسری جماعت کی طرف سے سامنے نہیں آئی۔ محترم ڈاکٹر صاحب بحمد اللہ اس ناموافق صورتحال کے باوجود دلبدل اور مایوس نہیں ہوئے بلکہ

اک طرز تغافل ہے ' سو وہ ان کو مبارک
اک عرض تمنا ہے ' سو ہم کرتے رہیں گے

کے مصداق انہوں نے اپنی مساعی جاری رکھیں۔

۶ ۔ ڈاکٹر صاحب محترم اس حقیقت سے پورے طور پر آگاہ ہیں کہ مختلف مسلکوں کے فروعی اختلافات میں موجود غیر معمولی شدت اس راہ کی بڑی رکاوٹ ہے' جسے جماعتوں کے سربراہان کو عبور کرنے میں دقت کا سامنا ہے۔ چنانچہ گزشتہ برس محترم ڈاکٹر صاحب نے مذہبی جماعتوں کے اتحاد کے ضمن میں ان کے تاریخی اور نظریاتی پس منظر کے حوالے سے ایک نئی عملی تجویز پیش کی۔ یہ پرخلوص تجویز محترم ڈاکٹر صاحب نے پہلے اپنے ۲۵ ستمبر ۹۵ء کے خطاب جمعہ بمقام دارالسلام باغ جناح میں وضاحت کے ساتھ پیش

کی۔ اور بعد ازاں اسے پوری تفصیل کے ساتھ ماہنامہ میثاق کے ماہ اکتوبر ۹۵ء کے شمارے میں شائع بھی کر دیا گیا۔ اس میں انہوں نے دیوبندی' بریلوی اور اہلحدیث مسالک کے مختلف پارٹیوں میں تقسیم رہنماؤں کو اپنے اپنے مسالک کی بنیاد پر اپنے فروعی اختلافات کو بھلا کر اکٹھا ہونے کی طرف توجہ دلائی۔ مزید برآں امیر تنظیم نے اس مبارک عمل کا آغاز خود کرتے ہوئے مشترک تاریخی اور نظریاتی پس منظر رکھنے والی تین جماعتوں یعنی تنظیم اسلامی' جماعت اسلامی اور تحریک اسلامی کے وفاق کی نہ صرف تجویز پیش کی بلکہ اس ضمن میں خود آگے بڑھ کر جماعت اسلامی اور تحریک اسلامی کے ساتھ اشتراک عمل کی پیشکش بھی کی۔ اس تجویز پر تحریک اسلامی کی جانب سے تو کسی قدر مثبت ردعمل سامنے آیا لیکن جماعت اسلامی نے اس تجویز کو درخور اعتناء نہیں سمجھا۔

۷ ۔ یہاں اس امر کا تذکرہ بھی بے محل نہ ہو گا کہ گزشتہ تین چار برسوں کے دوران تحریک خلافت پاکستان جس کے "داعی" محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ہی ہیں' اور جسے تنظیم اسلامی ہی کا ایک شعبہ قرار دیا جا سکتا ہے' کے زیر اہتمام وقتاً فوقتاً منعقد ہونے والے خلافت سیمینارز اور خلافت کانفرنسوں میں بھی تمام مکاتب فکر کے علماء کرام اور دانشوروں کو اظہار خیال کی دعوت دی جاتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ ایک شیعہ عالم دین جناب ہادی علی نقوی بھی محترم ڈاکٹر صاحب کی دعوت پر تحریک خلافت کے ایک پروگرام میں تشریف لا کر اظہار خیال فرما چکے ہیں۔

قارئین کو یاد ہو گا کہ گزشتہ سال سالانہ اجتماع کے موقع پر منعقد ہونے والی دوسری عالمی خلافت کانفرنس کے مقررین میں دیگر مقررین کے علاوہ جماعت اسلامی کے مولانا گوہر رحمن صاحب اور تحریک اسلامی کے حکیم سرو سہارنپوری بھی شامل تھے------اور ابھی دو ماہ قبل ۱۸/ اگست کو قرآن کالج کی تقسیم اسناد کی تقریب میں محترم ڈاکٹر صاحب کی دعوت پر تحریک اسلامی کے دونوں دھڑوں کے قائدین یعنی جناب نعیم صدیقی اور مولانا مختار گل ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے تھے۔ محترم نعیم صدیقی صاحب اگرچہ اپنی علالت کے باعث تقریر نہ فرما سکے تاہم وہ شدید علالت اور ضعف کے باوصف محترم ڈاکٹر صاحب سے

کئے گئے وعدے کو نبھانے جلسہ گاہ تک تشریف لائے۔ اس تقریب میں بھی جماعت اسلامی کی نمائندگی مولانا گوہر رحمان صاحب نے کی۔

اس طرح ایک سٹیج پر تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد' تحریک اسلامی کے امیر مولانا مختار گل اور جماعت اسلامی کے ایک اہم رہنما مولانا گوہر رحمان کے بیک وقت جمع ہو جانے سے تینوں جماعتوں کے وفاق کا جو خواب امیر تنظیم اسلامی نے دیکھا تھا اس کی ایک ابتدائی جھلک عملاً دیکھنے کو ملی۔ یہ سب کچھ اللہ کی تائید و توفیق سے ہوا جس نے محترم ڈاکٹر صاحب کی ان مساعی کو شرف قبول سے نوازا ہے۔ فللہ الحمد والمنہ

بحمد اللہ' تنظیم اسلامی کامل یکسوئی کے ساتھ منہج انقلاب نبویؐ کی رہنمائی میں پاکستان میں اللہ کے دین یعنی نظام خلافت کے قیام کے لئے جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہے اور پورے خلوص اور وسعت قلبی کے ساتھ اشتراک عمل کی ہر معقول تجویز پر غور کرنے اور اس کا خیر مقدم کرنے کے لئے پہلے بھی آمادہ رہی ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی رہے گی۔OO

امیر تنظیم اسلامی کے نئے دروس بزبان انگریزی
امریکہ میں ریکارڈ شدہ

☆ THE BATTLE OF BADAR
☆ STRUCTURE OF ISLAMIC STATE WITH REFERENCE TO SURAH AL-NOOR
☆ JIHAD BIL-QURA'N
☆ HOW TO ESTABLISH DEEN IN AN ISLAMIC STATE
☆ COLLECTION OF KHUTBAT (Different Occussions and Topics)

یہ کیسٹ مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

مسلمانوں کی ہر حکومت "الجماعت" ہے؟

سید وصی مظہر ندوی

مذکورہ بالا عنوان کے تحت جناب ڈاکٹر محمد فاروق خان کا ایک شاہکار مضمون ماہنامہ "فاران" کے ستمبر ۹۶ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔ جناب محمد فاروق کے بارے میں میری جو سنی سنائی معلومات ہیں ان کے مطابق وہ اچھے ڈاکٹر (معالج) اور طب جدید کے ڈاکٹر ہیں، لیکن چونکہ انہوں نے اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے :

"چونکہ یہ معاملہ قانون سے تعلق رکھتا ہے اس لئے ہم ہر معاملے میں دین کے قانونی پہلو ہی کو مد نظر رکھیں گے"۔

اس لئے خیال ہوا کہ وہ ڈاکٹر آف لاء بلکہ ڈاکٹر آف شریعہ لاء ہیں، چنانچہ انہوں نے اپنے کسی بیان یا دعوے کی دلیل دینے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی، کیونکہ ع "مستند ہے ان کا فرمایا ہوا"

O--- وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ذخیرۂ حدیث میں "السلطان" اور "الجماعت" مترادف المعنی ہیں، مگر جو شخص ذخیرۂ احادیث اور روایات تک خود رسائی حاصل کر سکتا ہے وہ فاران کے مضمون سے تو رہنمائی حاصل نہ کرے گا۔ فاران کا قاری تو اس قسم کے دعوے کے لئے علمی دلیل کا طالب ہو گا۔

O--- اسی طرح موصوف کا دعویٰ ہے کہ :

"امیر کا لفظ ہمیشہ اسلامی حکومت کے سربراہ یا دوسرے ذمہ دار افراد کے لئے آیا ہے"۔

لیکن اپنے دعوے کے ثبوت کے لئے انہوں نے احادیث میں اس لفظ کے استعمال کا حوالہ دینے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔ جبکہ قرآن اور حدیث میں کم از کم مجھے تو مجرد لفظ "امیر" اسلامی حکومت کے سربراہ کے لئے کہیں نہیں ملا۔ امیر اور امراء کے الفاظ بالعموم

سربراہ کے ماتحت حکام کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ سربراہ کے لئے یا تو "خلیفہ" کا لفظ استعمال ہوا ہے یا "امام" کا لفظ۔

O--- انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ :

"جہاں مسلمان اکثریت میں ہوں' آزاد ہوں اور ان کے اندر ایک بااختیار سیاسی تنظیم موجود ہو تو یہ مسلمانوں کی حکومت ہوتی ہے۔ یہ حکومت مسلمانوں سے مل کر بنتی ہے اس لئے یہ مسلمان ہی ہوتی ہے۔ مسلمانوں کی ہر حکومت الجماعت ہوتی ہے"۔

اس عبارت سے درج ذیل دعاوی کا اظہار ہوتا ہے :

۱۔ جو حکومت مسلمانوں سے مل کر بنے وہ مسلمان ہی ہوتی ہے۔

گویا مسلمانوں کے انفرادی عقائد و اعمال میں تو کئی چیزیں اسلام کے خلاف ہو سکتی ہیں لیکن مسلمان اجتماعی طور پر جب بھی کوئی کام کریں' مثلاً حکومت بنائیں' تو وہ کام اور وہ حکومت مسلمان رہے گی۔ فرض کیجئے کہ مسلمان مل کر ایک سودی بینک قائم کرتے ہیں تو وہ سودی بینک مسلمان ہی سمجھا جائے گا' یا مثلاً ترکی کی حکومت' جہاں حکومت کے معاملات میں اسلام کا نام لینا بھی جرم اور خلاف دستور ہے' یہ حکومت بھی مسلمان ہے کیونکہ اس کے بنانے والے مسلمان ہیں! یا روس سے آزاد ہونے والی مسلمانوں کی وہ آزاد ریاستیں' جنہوں نے اب تک کمیونزم کی بنیاد پر اپنا اجتماعی نظام قائم کر رکھا ہے' وہ بھی مسلمان حکومتیں ہیں۔ گویا مسلمان جو کچھ بھی کرتے رہیں وہ بہرحال مسلمان ہی رہیں گے اور ان کے تمام کام بھی "مسلمان" ہی سمجھے جائیں گے' خواہ وہ کام صریحاً اسلام کے احکام کی مخالفت پر مبنی ہوں۔

۲۔ دوسرا دعویٰ یہ سامنے آتا ہے : "مسلمانوں کی ہر حکومت الجماعت ہوتی ہے۔" اس دعویٰ کو یکسر بلا دلیل پیش کر دیا گیا ہے' نہ کتاب و سنت کے حوالوں سے واضح کیا گیا ہے کہ "الجماعت" کا اطلاق کن خصوصیات کی حامل جماعت پر ہو سکتا ہے' نہ مسلمانوں کی ہر حکومت میں ان خصوصیات کی موجودگی کو ثابت کیا گیا ہے۔

کاش ایسا ہوتا کہ جملہ قارئین فاران محترم ڈاکٹر صاحب کے حلقہ ارادت میں

داخل ہوتے اور یہ مریدان باسعادت ہرماہ ڈاکٹر صاحب کے ملفوظات سے رشد وہدایت حاصل کر کے اپنے علمی اور روحانی مدارج بلند کرتے۔ مگر افسوس ابھی تک یہ صورت حال پیدا نہیں ہو سکی ہے۔ البتہ جناب ڈاکٹر صاحب کے مضامین اگر اسی شان سے فاران میں چھپتے رہے تو جملہ قارئین فاران اس حلقہ ارادت میں شامل ہو جائیں گے یا قارئین کی صف سے باہر کھڑے نظر آئیں گے۔

جناب ڈاکٹر صاحب نے اپنے مدعا کے اثبات کے لئے احادیث میں حسب ضرورت "اصلاح" بھی فرمائی ہے جس کو تحریف معنوی قرار دینا کہیں گستاخی پر محمول نہ کیا جائے۔

(الف) مثلاً ایک مشہور حدیث جس کے الفاظ اس طرح ہیں :

((علی المرء المسلم السمع والطاعة فیما احب وکرہ' الا ان یؤمر بمعصیة' فان امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة))۔ (مسلم عن ابن عمرؓ)

"مسلمان پر لازم ہے کہ اسے کوئی حکم پسند ہو یا ناپسند وہ اس کو سنے اور مانے' بجز اس صورت کے جب اسے کسی معصیت کا حکم دیا جائے پھر اگر اسے کسی معصیت کا حکم دیا جائے' تو نہ سننا ہے اور نہ ماننا ہے"۔

مگر ڈاکٹر صاحب اس حدیث کے ترجمے میں تصرف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"پھر اگر گناہ کا حکم دیا گیا تو ان کے لئے سننا اور ماننا ضروری نہیں"۔

گویا اگر سنیں اور مانیں تو ایسا کرنا بھی جائز ہے۔ دل چاہے تو نہ مانیں کیونکہ ماننا ضروری نہیں ہے۔

(ب) اسی طرح محترم ڈاکٹر صاحب نے ایک اور حدیث میں بھی "تصرف" فرمایا ہے۔ لیکن یہ تصرف ترجمے میں نہیں تشریح و تفسیر میں جائز رکھا گیا ہے۔

یہ حدیث بھی مسلم شریف کی ہے' حضرت عبادہؓ بن الصامت اس کے راوی ہیں۔ حدیث کا جو ترجمہ ڈاکٹر صاحب نے کیا ہے وہ ایک حد تک درست ہے تاہم عربی محاورے کے مطابق وہ بھی مکمل طور پر درست نہیں۔ حدیث کے الفاظ مبارکہ اس طرح پر ہیں :

((وان لاننازع الامر اهله الا ان تروا کفرًا بواحًا عندکم فیه من اللہ برهان))۔

"اور یہ کہ ہم امر (حکومت) والوں سے امر (حکومت) چھیننے کی کوشش نہ کریں مگر جب تم ان کی طرف سے کوئی کھلا کفر دیکھ لو جس کے کفر ہونے کی کوئی برہان اللہ کی طرف سے تمہارے پاس موجود ہو۔"

ڈاکٹر صاحب نے ترجمہ اس طرح پر کیا ہے :

"ہم اپنے حکمرانوں سے نہ جھگڑیں گے سوائے اس صورت میں کہ تم ان کی طرف سے کسی کھلے کفر کا ارتکاب ہوتا دیکھ لو اور کفر بھی ایسا جس کے بارے میں اللہ کی طرف سے واضح دلیل ہو۔"

اردو میں "نزاع" صرف جھگڑنے کے معنی میں آتا ہے' لیکن عربی زبان میں خاصمہ' غالبہ اور جاذبہ کے معنی میں مستعمل ہے' یعنی کسی کو مغلوب کرنے اور کسی چیز کو اس سے کھینچ لینے یا چھین لینے کے معنی میں مستعمل ہے۔ اور "الامر" حکومت کے معنی میں مستعمل ہے۔

ترجمے میں اس تسامح کو تو خیر نظر انداز کیا جا سکتا ہے لیکن اس کی تشریح میں جو تصرف کیا گیا ہے وہ بہت افسوسناک ہے۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں :

"وہ گناہ یا کفر کا حکم دیں تو اس خصوصی معاملے میں ان کی بات نہ مانی جائے"۔

پھر حدیث کا مذکورہ ترجمہ لکھنے کے بعد تشریح فرماتے ہیں :

"گویا ایسے حکمرانوں کی عام معاملات میں تو اطاعت کی جائے گی' تاہم وہ جس معاملے میں گناہ یا کفر کا حکم دیں گے وہاں ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔"

افسوس ڈاکٹر صاحب نے گناہ اور کفر بواح کو ہم پلہ قرار دے دیا۔ حالانکہ کفر کا حکم دینا تو بہت سنگین بات ہے۔ محض کسی حکمران کی طرف سے کھلے کفر کے اظہار سے بھی وہ نہ صرف سمع و طاعت کا حق کھو دیتا ہے بلکہ اس سے حکومت چھیننے کی جدوجہد کرنے کا حق بھی حاصل ہو جاتا ہے' اور حدیث میں اسی نزاع کے حق کو بیان کیا گیا ہے۔ مگر کفر کا حکم دینے کے بعد بھی حکم دینے والے کی اطاعت کا لازم رہنا حدیث سے صریح انحراف ہے۔ ڈاکٹر صاحب تشریح و تفسیر میں مزید حد درجہ تجاوز کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"اس سے ضمنی طور پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایسے مسلمان حکمران اور مسلمان

حکومتیں ایسی بھی ہو سکتی ہیں جو اپنی رعایا کو معصیت کا حکم دیں یا واضح کفر کا ارتکاب کریں۔"

حالانکہ احادیث میں معصیت کا ارتکاب کرنے والے حکمران یا معصیت کا حکم دینے والے حکمرانوں اور کفر بواح کا ارتکاب کرنے والے حکمرانوں کے درمیان واضح فرق کیا گیا ہے۔ پہلی قسم کے حکمرانوں کے لئے صرف یہ ہدایت ہے کہ معصیت میں ان کی اطاعت نہ کی جائے لیکن دوسری قسم کے حکمرانوں سے نزاع کرنے اور حکومت کو ان سے چھیننے کا حق بھی دیا گیا ہے۔ کفر کے مرتکب نام نہاد مسلمان حکمرانوں اور کافر حکمرانوں کے درمیان درحقیقت کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں اللہ کی زمین پر اور اللہ کے بندوں پر حکم چلانے کا حق کھو دیتے ہیں۔ ان کے خلاف نہ صرف نزاع جائز بلکہ مطلوب بن جاتا ہے۔ البتہ اس نزاع کے سلسلہ میں عملی اقدام کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ یہ شرائط اگر پوری نہ ہوں تو کافر حکمرانوں کے خلاف جس طرح کوئی اقدام نہیں کیا جا سکتا اسی طرح ان نام نہاد مسلمانوں کے خلاف بھی کوئی اقدام نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اگر یہ شرائط پوری ہو جائیں تو جس طرح طاغوت (اللہ کے باغیوں) سے جنگ کرنا اور اللہ کے بول کو بالا کرنا واجب ہے' اسی طرح ایسے نام نہاد مسلمان حکمرانوں کے خلاف بھی جنگ کرنا واجب ہے جو کھلے کفر کے مرتکب ہوں۔

جناب ڈاکٹر صاحب نے ایک بے بنیاد دعویٰ کو مسلمہ اصول کی حیثیت سے بیان کر کے اس پر لمبی چوڑی عمارت کھڑی کی ہے جو پوری عمارت بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ وہ فرماتے ہیں :

"واضح کفر کا ارتکاب کرنے والے حکمرانوں کو اتنے بڑے جرم کے بعد بھی الجماعت کیوں کہا جاتا ہے؟"

جناب ڈاکٹر صاحب! کون عقل مند ان کو "الجماعت" کہتا ہے۔ یہ تو آپ کی ایک انوکھی بات ہے کہ کفر کی مرتکب حکومت بھی الجماعت ہے۔ سبحان اللہ! ع گر پاپوش میں لگائی کرن آفتاب کی۔ اس بے بنیاد مفروضے کو تسلیم کر کے اس کے درست ہونے کے جو اسباب آپ نے بیان کئے ہیں وہ سب خود ساختہ' مفروضہ اور مہمل ہیں۔

جناب ڈاکٹر صاحب "بیان قانون" میں بڑے غیر محتاط ہیں۔ چنانچہ وہ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ : "کیا یہ مسلح جدوجہد کسی وقت لازمی بھی ہو جاتی ہے؟" لکھتے ہیں :

"عام حالات میں یہ مسلح جدوجہد صرف جائز ہے لیکن اگر باقی شرائط پوری ہوں اور اسلحہ اور فوجی طاقت بھی کفر کا ارتکاب کرنے والی حکومت سے زیادہ ہو تو پھر مسلح جدوجہد لازم ہو جاتی ہے"۔

لیکن محترم ڈاکٹر صاحب کی دونوں باتیں قانونی طور پر غلط ہیں' کیونکہ :

۱۔ اگر شرائط پوری نہ ہوں تو مسلح جدوجہد جائز بھی نہیں ہے۔

۲۔ اسی طرح شرائط میں اس شرط کا اضافہ کہ اسلحہ اور فوجی طاقت کفر کا ارتکاب کرنے والی حکومت سے زیادہ ہو تب مسلح جدوجہد لازم ہے۔ یعنی مادی طاقت میں خروج کرنے والے فرد کے پاس بگڑی ہوئی حکومت سے زیادہ اسلحہ اور فوج موجود ہو۔ یہ ایک خود ساختہ شرط ہے جو فقہاء میں سے کسی نے بھی نہیں بیان کی اور قرآن و سنت کی کسی دلیل سے بھی یہ شرط ثابت نہیں ہوتی بلکہ قرآن تو کہتا ہے : "كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ"۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ قوی الایمان مسلمان اپنے سے دس گنا کفر کی طاقت کو شکست دے سکتے ہیں اور نسبتاً کمزور ایمان والے بھی اپنے سے دوگنی طاقت سے ٹکرا کر اسے شکست دے سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں اس شرط کو اگر درست مان لیا جائے تو پھر بدر' احد' حنین' خندق اور تبوک وغیرہ کے تمام جہاد و قتال اصولاً غلط ثابت ہو جاتے ہیں۔

۳۔ اسی طرح محترم ڈاکٹر صاحب نے کفر بواح کی مرتکب حکومت کے خلاف عملی اقدام کے جواز کے لئے یہ شرط جو عائد کی ہے کہ وہ : "حکومت استبدادی اور غاصبانہ ہو اور اس کے بننے میں مسلمانوں کی مرضی کو دخل نہ ہو"۔ بالکل خود ساختہ شرط ہے۔ کفر کی مرتکب حکومت خواہ کافروں کی ہو اور ان کی اکثریت کی تائید سے بنی ہو خواہ نام نہاد مسلمانوں کی ہو اور بظاہر اس کو مسلمانوں کی اکثریت کی تائید حاصل ہو' اسے اللہ کی زمین پر اور اللہ کے بندوں پر اصولاً حکمرانی کا حق نہیں پہنچتا۔ اس لئے ایسی ہر حکومت کو ختم

کرنے کے لئے جدوجہد کرنا اور جب دیگر ضروری شرائط پوری ہو جائیں تو ایسی حکومت کے خلاف مسلح کارروائی کرنا نہ صرف جائز بلکہ مطلوب اور پسندیدہ ہے اور بعض حالات میں واجب اور لازم ہے۔

اس باب میں اسلام کی اصولی تعلیمات بالکل واضح ہیں۔ مثلاً :

(۱) انبیاءؑ کی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ان کو کتاب اور میزان کے ساتھ اس لئے بھیجا گیا اور بڑی قوت رکھنے والے فولاد کو اس لئے اتارا گیا تا کہ لوگ انصاف پر قائم ہو جائیں۔

(۲) اظہارِ دینِ حق کو نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد قرار دیا گیا۔

(۳) اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے قتال کرنے کو اللہ کی راہ میں قتال کرنا بتایا گیا

(۴) وہ ظالم اور جابر حکمران جن کو بظاہر ان کی قوم کی اکثریت کی تائید و حمایت حاصل تھی، اہل ایمان کو ان کے خلاف قتال کرنے کی دعوت دی گئی۔

(۵) قیصر و کسریٰ کو رسالتمآب کی طرف سے جو خطوط بھیجے گئے ان میں واضح طور پر ان کو اقتدار سے محروم کرنے کی دھمکی تھی۔ اَسْلِمْ تَسْلَمْ (فرمانبردار بن جا تو سلامت رہے گا)

(۶) خلفائے راشدین کے دور میں جو مسلمان لشکر کفار پر حملہ آور ہوتے تھے وہ کافر حکومتوں کے سامنے، قطع نظر اس کے کہ ان کو اپنے عوام کی تائید حاصل تھی یا نہیں، صرف تین متبادل رکھتے تھے : (الف) اسلام لے آؤ (ب) جزیہ ادا کر کے ماتحت بن کر رہنا قبول کرو، (ج) یا جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

آج کل کے جمہوری تماشے کے ذریعے جو حکومتیں برسر اقتدار آتی ہیں ان کو عوام کی حمایت حقیقتاً جس حد تک حاصل ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ تائید و حمایت اس دور کے انصاف پسند بادشاہوں کو حاصل ہوا کرتی تھی۔ مگر جو لوگ اللہ تعالیٰ کو کائنات کا مقتدر اعلیٰ نہ مانتے ہوں، اور اس کے احکام کے مطابق دنیا میں بندوں کے معاملات کو انصاف کے مطابق چلانے کے اصول کو نہ تسلیم کرتے ہوں، انفرادی طور پر تو کفر کی راہ اختیار کرنے کا اختیار تو ان کو حاصل ہے، لیکن اجتماعی طور پر بندوں کے معاملات کو اللہ کے

احکام سے آزاد ہو کر اپنی مرضی سے چلانے والے دراصل طاغوت ہیں۔ چنانچہ ان کے خلاف جدوجہد کرنا فرض ہے۔

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾

"اور تم ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور "دین" سارے کا سارا اللہ کے لئے ہو جائے"۔

بہرحال یہ موضوع بہت وسیع ہے' اس کی تفصیل میں جانا اس وقت مناسب نہیں۔ تاہم بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب اور ان کے بعض سرپرست خود اپنے طرز عمل کو سند جواز فراہم کرنے کے لئے دین کے بنیادی حقائق تبدیل کرنے کی جس کوشش میں لگے ہوئے ہیں وہ علامہ اقبال کے ارشاد کے مطابق خود کو بدلنے کے بجائے قرآن کو بدلنے کے ناپسندیدہ مشغلے کے سوا کچھ نہیں ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

آخر میں محترم ڈاکٹر صاحب سے یہ پوچھنا ہے کہ وہ غیر معیاری مسلمان حکومتوں کی اصلاح اور غیر مسلم حکومتوں کی اصلاح کے لئے اجتماعی جدوجہد کے تو قائل ہیں تاہم وہ سمع و طاعت کی بنیاد پر کسی اجتماعی نظام کو قائم کرنا درست نہیں سمجھتے' کیونکہ ان کے خیال میں سمع و طاعت کی بنیاد پر نظام صرف اصحاب اقتدار کے لئے مخصوص ہے۔ اور ان کے دعوے کے مطابق نبی ﷺ نے مکی زندگی میں سمع وطاعت کی بیعت نہیں لی تھی' تو ازراہ کرم وہ یہ بھی بتا دیں کہ پھر اجتماعی جدوجہد کا نظام کیا ہونا چاہئے؟ کیا انجمن اور جماعت سازی کا وہ نظام جو مغرب سے درآمد ہوا ہے؟ اگر ان کا یہی خیال ہے تو مکی زندگی میں کیا اس طرح کی انجمن سازی ثابت ہے؟

سیدھی سی بات یہ ہے کہ اصحاب اقتدار جب سمع وطاعت کی بیعت لیتے ہیں تو ان کا دائرہ وسیع ہوتا ہے۔ لیکن غیر اسلامی اقتدار میں رہتے ہوئے جو اجتماعی جدوجہد کی جائے گی اس میں سمع وطاعت کا دائرہ ان امور تک ہی محدود رہے گا جن معاملات میں "امر" کا اختیار سربراہ تنظیم کو غیر اسلامی اقتدار کے اندر رہتے ہوئے حاصل ہو گا۔

مکی زندگی میں بھی نبی ﷺ اور آپؐ پر ایمان لانے والے اصحاب اسی طرح کی سمع و طاعت کے نظام میں بندھے ہوئے تھے خواہ اس سلسلہ میں کسی قسم کی بیعت کا ثبوت ملے یا نہ ملے' بلکہ ان کی بیعت ایمان ہی اس سمع و طاعت کی اساس ہے۔ چنانچہ :

۱۔ كُفُّوا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيمُوا الصَّلَاةَ (اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز کو قائم کرو)

۲۔ آلِ یاسر کو صبر کی ہدایت

۳۔ حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت

۴۔ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت

۵۔ دارِ ارقم میں محصور ہونے کا فیصلہ وغیرہ

یہ سب اجتماعی امور ہیں جن کے بارے میں سمع و طاعت کے نظام کی موجودگی ثابت ہے' لیکن ان کے علاوہ بے شمار انفرادی معاملات روزمرہ پیش آتے ہوں گے جن میں اہل ایمان نبی ﷺ کے حکم و ہدایت پر عمل کرتے ہوں گے۔

حضرت ابو جندل اور ان کے بعض ساتھیوں کو عارضی طور پر قریش کی تجارتی شاہراہ پر مجوار رہنے اور قریش کے قافلوں کے لئے خطرہ بننے کا جو فیصلہ کرنا پڑا وہ قطعی طور پر کسی علیحدہ ریاست کے قیام کا فیصلہ نہ تھا اور حضرت ابو جندل کی ٹولی میں ایک "ریاست" کے خصائص موجود نہ تھے۔ تاہم بنو امیہ کی حکومت کے خاتمے کے بعد اندلس میں ان کی علیحدہ ریاست کا قیام اور پھر بنو عباس کے زوال کے دور میں بے شمار ایسی حکومتوں کا قیام جو آزاد یا نیم آزاد تھیں ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس سے انکار ممکن نہیں ہے!

اس طرح دور حاضر میں مسلمانوں کی پچاس سے زائد آزاد اور خود مختار حکومتوں کی موجودگی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اس صورت حال کی موجودگی سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ بس وہی ہے جس کا تذکرہ میں نے اپنے مضمون میں کیا تھا' جس مضمون کا تذکرہ جناب ڈاکٹر صاحب نے بھی فرما دیا ہے' یعنی یہ کہ وہ "الجماعت" جس کے بارے میں احادیث صحیحہ میں واضح احکام وارد ہوئے ہیں اور جس کو نبی ﷺ نے قائم کیا تھا وہ "الجماعت" آج قائم نہیں ہے' اس لئے اس "الجماعت" سے متعلق تمام احکام اس

وقت تک معطل رہیں گے جب تک وہ "الجماعت" قائم نہ ہو جائے۔ الجماعت سے متعلق بعض احکام یہ ہیں :

(۱) الجماعت سے چمٹے رہنا (علیکم بالجماعۃ)' (۲) اس سے علیحدگی جہنم کی طرف لے جانے کا سبب ہے (من شذ شذ فی النار)' (۳) الجماعت سے بغاوت کرنے والا واجب القتل ہے (فاضربوا عنقہ کائناً من کان)' (۴) اطاعت سے نکلنا اور الجماعت سے الگ ہو کر مرنا جاہلیت کی موت ہے۔ وغیرہ وغیرہ

یہ سارے احکام اس وقت تک معطل ہیں جب تک "الجماعت" قائم نہ ہو جائے' البتہ اس "الجماعت" کے قائم کرنے کی تمنا کرنا اور اس کے لئے جدوجہد کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ یہ بات سراسر مہمل ہے کہ مسلمانوں کی جتنی حکومتیں قائم ہوتی چلی جائیں' خواہ وہ معیاری ہوں یا غیر معیاری' بلکہ ڈاکٹر صاحب کے دعویٰ کے مطابق خواہ وہ کفر بواح کی مرتکب ہوں' سب کی سب الجماعت ہیں اور ان تمام حقوق کی مستحق ہیں جو احادیث صحیحہ میں الجماعت کے لئے بیان ہوئے ہیں۔ یہ دعویٰ "الجماعت" قائم کرنے کی جدوجہد کی ذمہ داری سے بچنے کا بہانہ ہے۔ تاہم اس قسم کا دعویٰ کرنا سراسر مہمل اور بے سند دعویٰ ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک اہم تالیف :

اسلام اور پاکستان

جسے بجا طور پر تحریک پاکستان کے تاریخی و سیاسی پس منظر---اور

اسلامیان پاکستان کے تہذیبی و ثقافتی پس منظر پر

ایک جامع و مربوط دستاویز کی حیثیت حاصل ہے۔

قیمت : اعلیٰ ایڈیشن (مجلد)۔/۴۰ روپے اشاعت عام : ۔/۱۶ روپے

مجھے اکثر خیال آتا ہے

طیبہ یاسمین

مجھے اکثر خیال آتا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ سچائی کی راہ بڑی کٹھن ہے' اس پر چلنا بڑا مشکل ہے' سچی بات کہو تو لوگ جھگڑا کرنے لگتے ہیں۔ کیا اس طرح کی باتیں کہتے ہوئے ہم سچائی کے خلاف پروپیگنڈا نہیں کرتے؟ کیا اس طرح سچ کی حوصلہ شکنی اور جھوٹ کی حوصلہ افزائی نہیں ہوتی؟۔ اسلام اور سچائی تو فطرت کے عین مطابق ہیں۔ پھر ان پر عمل سے تکلیف کیسی؟ بلکہ اس تکلیف میں اور بھی راحت ہوتی ہے۔

کیا جھوٹ کی راہ بڑی آسان ہے؟ کیا اس راہ پر چلنے والے کو مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا؟ کیا اسے زندگی میں تکلیفوں اور جھوٹ کی وجہ سے پیدا شدہ الجھنوں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا؟ اور کیا جھوٹے اور سچے آدمی کی معاشرہ میں عزت اور ساکھ ایک جیسی ہوتی ہے؟ دنیا کے جتنے بھی جھگڑے اور فساد ہیں کیا وہ جھوٹ کی وجہ سے نہیں؟ کیا اللہ کی مدد جھوٹے اور سچے انسان کے لئے ایک جیسی ہوتی ہے؟ کیا دل کا سکون جھوٹے اور سچے انسان کے لئے ایک ہوتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر ہم کیوں کہتے ہیں کہ سچ کی راہ بڑی کٹھن ہے۔ نہیں! باطل کی راہ بڑی دشوار ہے کہ یہ فطرت کے خلاف ہے اور خلاف فطرت کام بہت مشکل ہوتے ہیں کہ ان میں خدا کی مدد کی بجائے ہمارے ازلی دشمن شیطان کی مدد شامل ہوتی ہے۔

مجھے اکثر خیال آتا ہے کہ ایسا انسان جو کسی کے کام نہیں آتا' نہ ہی اس سے کسی کی امیدیں یا توقعات وابستہ ہوتی ہیں' وہ بنی نوع انسان کو اپنی ذات سے کسی قسم کا نفع نہیں پہنچاتا' کیا وہ زندہ کہلانے کا مستحق ہے؟ کیا اس میں اور ایک مردہ لاش میں سوائے حاضر اور غائب کے کوئی فرق ہے؟

انسان کو دولت سے بہت محبت ہوتی ہے اور وہ اسے سینت سینت کر رکھتا ہے۔ خود اپنی زندگی میں بہت سے لوگ اپنی جائز ضروریات پورا کرنے کے لئے بھی اس سے جدائی برداشت نہیں کرتے اور یوں ڈھیروں دولت جمع کر کے خود قبر کی آغوش میں پہنچ کر مجبوراً اس سے جدا ہوتے ہیں۔ مگر وہ دولت وہاں دشمن بن کر انہیں عذاب میں مبتلا کرتی ہے۔ مجھے اکثر خیال آتا ہے کہ دولت سے محبت ہو تو اسے دنیا کے بنک میں جمع کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر کے آخرت کے بنک میں جمع کرانا چاہئے تاکہ وہ کئی گنا بھی ہو اور نفع بخش بھی ہو۔

بہت سے انسان جب اپنی زبان کے تیر و نشتر سے دوسرے کے کلیجہ کو زخمی کرتے اور بجائے شرمندہ ہونے کے علی الاعلان اپنے اس فعل کو صاف گوئی اور مخاطب کے احتجاج کو اس کی زود حسی اور تنگ مزاجی سے تعبیر کرتے ہیں تو مجھے اکثر خیال آتا ہے کہ یہ کیسی صاف گوئی ہے جو دوسرے پر گندگی بن کر اچھلتی اور اس کے احساسات کو زخموں سے چور چور کر دیتی ہے؟ کیا ایک صاف دل اور صاف زبان سے صرف طنز و تشنیع کی بارش ہی ہو سکتی ہے۔ کیا وہاں سے مہر و محبت اور خلوص کے چشموں کی پر سکون پھوار نہیں پڑ سکتی؟

مجھے اکثر خیال آتا ہے کہ ہم خرید و فروخت کے معاملات طے کرتے وقت کم سے کم قیمت، اور تنخواہ یا اجرت طے کرتے وقت کم سے کم اجرت اور تنخواہ طے کرنا چاہتے ہیں۔ فریق ثانی اپنی لاعلمی یا کسی مجبوری کی وجہ سے ہماری بات مان لیتا ہے تو کیا در اصل ہم اس کی حق تلفی نہیں کرتے؟ کیا وہ حق تلفی ہمارے لئے جائز ہو گی اور آخرت میں اس کے بدلے میں نیکیاں نہ دینی پڑیں گی؟ کیا انصاف اور احسان کا تقاضا یہ نہیں کہ ہم اس کا پورا حق دیں اور اس طرح اس پر بھی رحم کریں اور خود پر بھی؟

مجھے اکثر خیال آتا ہے کہ جب کوئی ہم سے زیادتی کرتا ہے اور ہم اسے اس زیادتی کا جواب اسی انداز میں دے کر خود کو مطمئن کرنے کے لئے ان لوگوں کا طرز عمل ذہن میں لاتے ہیں جو سخت مزاج اور برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے اور کسی کی بات کا ادھار نہ رکھنے والے ہوں، تو آخر ایسے وقت میں ہمیں ان فرشتہ صفت اور نیک سیرت لوگوں کا عمل کیوں مشعل راہ دکھائی نہیں دیتا اور قابل تقلید محسوس نہیں ہوتا جن کی زندگی عفو

درگزر، حسن معاملات اور شفقت و محبت سے پیش آنے کے واقعات سے بھرپور ہوتی ہے؟ ان لوگوں کے سکون قلب اور اطمینان نفس کی مثال سامنے ہوتے ہوئے بھی ہم پریشانی اور کوفت کی راہ کیوں اپناتے ہیں؟

جب ہم سے کوئی شخص بھلائی کرتا ہے تو ہم اسے اچھا کہتے ہیں اور جب کوئی برا سلوک کرے تو اسے برا کہتے ہیں۔ مجھے اکثر خیال آتا ہے کہ آخر ہم دوسروں کو اچھا یا برا کہنے یا سمجھنے کے لئے اپنی ہی ذات کو کیوں معیار قرار دیتے ہیں؟ ہمارا معیار یہ کیوں نہیں ہوتا کہ اس کا رویہ عوام الناس سے کیسا ہے؟

ہم اپنی گفتگو میں اکثر ایسے فیصلہ کن الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ فلاں میں جتنا صبر ہے کسی دوسرے میں ہو ہی نہیں سکتا۔ فلاں جتنا اچھا ہے اتنا کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ جتنا فیاض اور متواضع ہے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ مجھے اکثر خیال آتا ہے کہ ایسے فیصلے کرتے وقت کیا ہم نے سب لوگوں کا طرز عمل پرکھ لیا ہوتا ہے؟ اور اگر ایسے الفاظ یا جملے مبالغے کے طور پر یا محاورتاً بولے جاتے ہیں تو سوچنے کی بات ہے کہ جس کی تعریف میں ہم زمین آسمان کے قلابے ملا رہے ہیں اس کی سچائی اور حقیقت میں کیا کمی ہے کہ ہمیں مبالغے کا سہارا لینا اور دوسروں کو کم ظاہر کرنا پڑ رہا ہے؟

مجھے اکثر خیال آتا ہے کہ دنیا کی ہر ترقی اور آسائش ہمیں اپنا پیدائشی حق دکھائی دیتا ہے، مگر جب کوئی غریب آدمی یا ہمارا ماتحت بہتر زندگی گزارنا چاہے اور زندگی کی آسائشوں سے فائدہ اٹھانا چاہے تو ہم اسے طنز کا نشانہ کیوں بناتے ہیں؟۔ ہم اسے اس کی غربت کا احساس دلاتے اور اس کو اس کی کم تر حیثیت پر قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہماری کوشش یہ کیوں ہوتی ہے کہ وہ جس طرز زندگی کو اختیار کرنے پر مجبور ہے اس میں بہتری نہ ہو۔ آخر ہم دوسروں کو پستی اور خود کو بلندی کے مقام پر دیکھنے کی خواہش کرنے کے کیسے حقدار ہوتے ہیں؟

ہم اپنی ذات سے محبت کے حصار میں قید ہیں، مگر یہ کیسی محبت ہے جو اسے بہتر نہیں بناتی۔ دنیا میں جس سے بھی محبت ہو ہم اس کے لئے تمام بھلائیاں، خیر خواہیاں اور ترقیاں چاہتے ہیں، مگر اپنی ذات کے لئے یہ کیسی محبت ہے جو اس سے آشنا نہیں ہو پاتی۔ ہم

اس کی بہتری اور ترقی کیوں نہیں چاہتے ؟۔ ہمارا فریب نظر اس میں خوبیاں دکھاتا تو ہے مگر پیدا نہیں کرتا۔ مجھے اکثر خیال آتا ہے کہ کیا یہ جھوٹی محبت نہیں ہے ؟ کیا ہم اپنی ذات سے اتنی سچی محبت بھی نہیں کر سکتے کہ اسے فریب نظر اور فریب نفس سے بچائیں ؟

مجھے اکثر خیال آتا ہے کہ ہم اللہ اور پیارے نبی ﷺ سے اتنی زیادہ محبت کیوں نہیں کرتے کہ ان کا وجود ہر وقت اپنے پاس محسوس کریں اور اپنے خیالات اور اعمال کو اس طرح پرکھیں کہ کیا اس وقت یہ خیال یا کام جسے اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اسے پسند آ رہا ہے ؟ اگر آج اس وقت پیارے نبی ﷺ ہم میں بیٹھے ہوں اور ہم یہ طرز عمل اپنائیں تو کیا ان کو اچھا لگے گا؟

خلافت کی اصل حقیقت اور اس کا تاریخی پس منظر
اور عہد حاضر میں اس کے دستوری و قانونی اور معاشی و معاشرتی ڈھانچے اور اس کے
قیام کے لئے سیرت نبویؐ سے ماخوذ طریق کار کی تشریح پر مشتمل

ڈاکٹر اسرار احمد

داعی تحریک خلافت پاکستان
کے چار جامع خطبات کا مجموعہ' بعنوان :

خطبات خلافت

سفید کاغذ' صفحات : 212' قیمت : 50 روپے
شائع کردہ : مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

روداد اجتماع

تنظیم اسلامی کا اکیسواں سالانہ اجتماع

مرتب : نعیم اختر عدنان

تنظیم اسلامی کی بیس سالہ تاریخ میں پہلی بار سالانہ اجتماع کو دو حصوں میں منقسم کیا گیا۔ چنانچہ تنظیم اسلامی کا اکیسواں سالانہ اجتماع نومبر کے پہلے ہفتے میں لیاقت باغ راولپنڈی میں منعقد ہوا۔ راولپنڈی میں منعقدہ اجتماع میں آزاد کشمیر' سرحد' پنجاب شمالی' پنجاب جنوبی' گوجرانوالہ ڈویژن' لاہور ڈویژن' عرب امارات اور حلقہ حجاز اور امریکہ سے رفقاء کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ حلقہ سندھ و بلوچستان اور حلقہ پنجاب جنوبی کے رفقاء کے اکیسویں سالانہ اجتماع کے لئے سندھ کے مشہور شہر سکھر کا انتخاب کیا گیا تھا۔ یہ اجتماع میونسپل سٹیڈیم سکھر میں نومبر کے آخری عشرے یعنی ۲۲ تا ۲۴ کی تاریخوں میں منعقد ہوا۔ نرم دم گفتگو' گرم دم جستجو کی منہ بولتی تصویر سید محمد نسیم الدین اس اجتماع کے ناظم تھے۔ استقبالیہ' اجتماع گاہ اور قیام و طعام گاہوں کے تمام تر انتظامات زبان حال سے یہ گواہی دے رہے تھے کہ یہ "سب کچھ" باصلاحیت رفقاء اور باتدبیر قائد کی شبانہ روز کی انتھک کاوشوں کا حاصل ہے۔

تنظیم اسلامی کا قافلہ اگرچہ بہت زیادہ وسعت کا حامل نہیں ہے مگر اس قافلے سے وابستہ و پیوستہ "رفقاء" کو نظم کے کڑے سانچے سے ہر لمحے گزرنا پڑتا ہے اور گاہے گاہے ان کی صلاحیتوں اور قوتوں' جذبوں اور امنگوں کا امتحان ہوتا رہتا ہے۔ آزمائش اور امتحان' جانچ اور پرکھ ہی تو اصل شے ہے جو افراد' تنظیموں اور ملتوں کے لئے ایک پیمانے اور معیار کا کام دیتی ہے۔ تنظیم اسلامی کے رفقاء نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مدظلہ جیسے "امام برحق" کے ہاتھ پر سمع و طاعت اور ہجرت و جہاد کے کٹھن اور جاں گسل مراحل طے کرنے کے لئے بیعت کر رکھی ہے۔ امیر محترم مدظلہ "ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن' نئی شان" کے مصداق ساری دنیا کو عالم کفر کے زیر سایہ پروان چڑھنے والے "نیو ورلڈ آرڈر" کے اہداف و مقاصد سے "خبردار" کرتے رہتے ہیں۔ امیر محترم مدظلہ اپنے ساتھیوں کو روایتی سیاسی لیڈروں کی طرح نہ تو "سبز باغ" دکھاتے ہیں اور نہ ہی انہیں معاصر دینی جماعتوں کے سربراہوں کی طرح ہر لحظہ منزل سے دور لیجاتے ہوئے "سراب" میں غلطاں و پیچاں رکھتے ہیں۔ میرے قائد نے قرآن کی مضبوط

ری اور سیرت کے مضبوط سہارے کو خود بھی مضبوطی سے تھام رکھا ہے اور اپنے ساتھیوں کو بھی یہی سبق ازبر کراتے رہتے ہیں۔ تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماعات ہوں یا تربیتی و دعوتی پروگرام' ان سب کا "حاصل" امت کو اس کا بھولا ہوا سبق اور فراموش کردہ نصب العین یاد کروانا ہوتا ہے۔ تنظیم اسلامی کے امیر کی زندگی' ان کے شب و روز' ان کے جذبات و احساسات' ان کا قول و عمل ؎

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی

کا "شاہد عادل" ہے۔ میرے قائد محترم کی زندگی ایک ایسی شمع کی مانند ہے' جو دونوں طرف سے جل کر راہ حق کے متلاشیوں کو منزل کا پتہ دیتی ہے۔

تنظیم اسلامی سے وابستہ راہ حق کے مسافروں کے پڑاؤ کے لئے اس دفعہ سندھ کی سرزمین کا انتخاب کیا گیا۔ وہ سندھ جو "باب الاسلام" کے شرف سے "مشرف" ہے۔ اسی سندھ کے شہر سکھر کے میونسپل سٹیڈیم میں اکیسویں سالانہ اجتماع کا آغاز نماز جمعہ سے قبل امیر محترم کے خطاب سے ہوا۔ ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے فرمایا : ماضی قریب میں اسی سرزمین میں واقع کراچی شہر کے خالق دینا ہال میں کی گئی تقریر کی پاداش میں جو عثمانی خلافت کی تائید و حمایت میں اٹھنے والی "تحریک خلافت" کے زعماء نے کی تھی' مقدمہ بغاوت قائم ہوا تھا۔ اسی خالق دینا ہال سے آج سے چند سال قبل ہم نے تحریک خلافت پاکستان کا آغاز کیا تھا۔ سکھر کی "روحانی تاریخ اور اس کے ماحول" کو تاریخ کے اوراق سے اجاگر کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ ایک جانب سکھر سے متصل ضلع شکارپور میں واقع گاؤں امروٹ شریف بھی قریب ہی ہے جبکہ دوسری جانب میڑھ شریف کی روحانی درگاہ بھی یہاں سے زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے۔ حافظ محمد صدیق بھرچونڈوی شریف کے ہاتھ پر مولانا عبیداللہ سندھی نے اسلام قبول کیا تھا' جبکہ تاج محمد امروٹی وہ شخصیت ہیں جن سے ملنے کے لئے چودھویں صدی کے مجدد اعظم' مجاہد حریت اور شیخ دیوبند مولانا محمود حسن دیوبندی اسی سرزمین پر تشریف لاتے تھے۔ میرا تعلق بھی اسی مبارک اور عظیم اسلامی جہادی تحریک سے ہے۔ میں اپنے آپ کو اس سلسلے کی ایک کڑی سمجھتا ہوں۔ چنانچہ اسی لئے ہم سکھر شہر میں خلافت کی اذان دینے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ خلافت کے قیام ہی سے جہاد کا فریضہ بھی مشروط ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا ملک میں سیاست کو محض بطور کھیل کھیلا جا رہا ہے اور ستم ظریفی تو یہ ہے کہ اقتدار کے اس کھیل میں دینی عناصر اور

مذہبی جماعتیں بھی شریک ہیں۔ ہمارے نزدیک سیاست دین سے کوئی علیحدہ شے نہیں بلکہ دین کا جزو ہے اور کوئی باشعور مسلمان خالص غیر سیاسی نہیں ہو سکتا۔ تاہم انتخابی سیاست کی بجائے ہم نے اپنے لئے انقلابی سیاست کے راستے کا انتخاب کیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ ذوالفقار علی بھٹو اسی سرزمین کا فرزند تھا۔ بھٹو نے انتھک محنت اور جدوجہد کی جس کے جواب میں قوم نے بھی اس کی آواز پر لبیک کہا اور بھٹو کو ملک کا حکمران بنا دیا۔ وہ ملک سے جاگیرداری نظام کا خاتمہ کر کے ماؤزے تنگ بن سکتا تھا مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔ چنانچہ جاگیرداری کا طوق آج تک ہمارے گلے میں پڑا ہوا ہے۔ امیر محترم نے فرمایا نظام مصطفیٰ کی تحریک جوش و خروش کے اعتبار سے خلافت کی تحریک کے ہم پلہ تھی۔ اس جذبے سے فائدہ اٹھانے کی بجائے ضیاء الحق نفاذ اسلام کے حوالے سے "تدریج" کے چکر میں پڑ گئے۔ یوں عمر بن عبدالعزیز بننے کی بجائے ضیاء الحق مرحوم نے اسلام کے "کاز" کو نقصان پہنچایا۔ ہماری یہ موجودہ حکومت سابقہ حکومت کو مطعون کرتی اور مورد الزام ٹھہراتی ہے جبکہ عوام کے اجتماعی کردار کا نمونہ "بڑے حکمرانوں" کی شکل میں ملک پر مسلط ہے۔ انہوں نے کہا کہ افراد قوم کے فکر و عمل کو تبدیل کئے بغیر ملک و قوم کی تقدیر نہیں بدل سکتی۔ اس لئے کہ افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر' ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ!

نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد سے نماز مغرب تک کھانے' آرام اور نماز عصر کی ادائیگی کے لئے وقفہ تھا۔ بعد نماز مغرب' اجتماع کے دوسرے اجلاس سے ملتان کے امیر جناب سعید اظہر عاصم نے خطاب کیا۔ انہوں نے رفقاء و احباب سے مخاطب ہو کر کہا جو نظام انسانیت کو دنیا و آخرت میں کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے دیا گیا ہے اسی نظام کا نام خلافت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی دولت سے سرفراز فرمایا' یہ ہمارے لئے خوش نصیبی کا مقام ہے۔ آج سے پہلے دنیا کی دھرتی پر مسلمانوں کی اتنی کثیر تعداد کبھی نہ تھی' اس قدر آزاد مسلمان ممالک نہ تھے' اتنے وسائل مسلمانوں کو میسر نہ تھے جتنے آج ہیں' مگر اس کے باوجود کافر اقوام جب چاہتی ہیں مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتی ہیں۔ اللہ ہمارا رب اور آنحضورؐ ہمارے رسول ہیں اور اس کے باوجود سب سے زیادہ ذلیل و رسوا بھی آج مسلمان ہی ہیں۔ وہ اس لئے کہ ہم نے اللہ اور اس کے دین کو اپنے گھروں سے' شہروں سے اور ملکوں سے عملاً دیس نکالا دے رکھا ہے۔ آج ہمارا معاشرہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ہم اللہ اور رسولؐ کے فرمانبردار نہیں ہیں۔ ہم نے اپنے قول و فعل سے قرآن کو فریادی بنا دیا ہے۔ جس کی وجہ ہمارا رب ہم سے روٹھ چکا ہے۔ انہوں

نے کہا راہ حق کے ساتھیو اور سندھ کے باسیو! آؤ کہ اپنی جوانیاں' اپنا بڑھاپا' اپنے وسائل اپنی ذہنی قوتیں سب کچھ دین کی سربلندی کے لئے لگانے کا عہد و پیمان کریں۔ اس پر شر مگر خطرات سے گھرے ہوئے راستے میں اپنا تن اور دھن وارے بغیر کامیابی اور فوز و فلاح کا تصور محض ذہنی فتور اور دھوکہ ہے۔ امیر ملتان کا ہر لفظ درد و کرب کی داستان اور جذبہ جہاد کا نشان بن کر کانوں سے ٹکرا رہا تھا' گویا وہ یوں کہہ رہے تھے کہ ؎

سحر ہونے کو آئی ہے ستارے ڈوب جائیں گے
وہ طوفاں آنے والا ہے کنارے ٹوٹ جائیں گے

اسلام اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بازیابی کے متلاشیوں کے سامنے وادی مہران ہی کے نوجوان سپوت احمد صادق سومرو نے اپنی مادری زبان میں دین کا جامع تصور نہایت جامعیت اور خوبی کے ساتھ پیش کیا۔ سومرو خاندان کا یہ قابل فخر نوجوان قرآن کالج لاہور سے دین کے انقلابی تصورات کی پختہ بنیادوں پر تحصیل کر کے دین کی اس نایاب جنس کو "باب الاسلام" میں عام کر رہا ہے' سندھی نوجوان کہہ رہا تھا کہ ہم نے اہم کاموں کو غیر اہم اور غیر اہم کاموں کو اہم بنا رکھا ہے۔ اسلام کی حقیقت محض نیکی کی دعوت ہی سے عبارت نہیں ہے بلکہ نیکیوں اور حسنات کا حکم دینا اور برائیوں اور منکرات کا طاقت و قوت سے استیصال کرنا اصل دین ہے' مگر عوام و خواص کی اکثریت غلبہ دین کے فرض عین سے غافل ہے۔ انہوں نے کہا آج اللہ کا دین بالادست نہیں رہا' بلکہ گھر میں ٹی وی اور بیوی کا راج قائم ہے' ملک میں قومی اسمبلی کو بڑائی حاصل ہے' گویا ہر جگہ اللہ کا دین بڑا نہیں ہے' ہمیں اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور کبریائی کو تسلیم کرنے اور تسلیم کرانے والے نظام کو برپا کرنے کے لئے محنت و کوشش کرنا ہوگی۔ انہوں نے کہا قرآن و حدیث کے الفاظ اور تعلیمات محض قول کی بجائے عملاً نافذ بھی کئے جائیں' محض تبلیغ دین سے اسلام کو غلبہ و سربلندی حاصل نہیں ہوتی اس کے لئے سرکش نفس' شیطان ابلیس' بگڑے ہوئے معاشرے اور باطل نظام کے خلاف مسلسل جہاد کرنا ہوگا۔

احمد صادق سومرو کے سندھی زبان میں خطاب سے شرکاء اجتماع بہت محظوظ ہوئے۔ نماز عشاء کی ادائیگی کے لئے وقفہ ہوا۔ داعی تحریک خلافت اہل سندھ کو خلافت کی نوید سنانے کے لئے سٹیج پر تشریف لا چکے تھے۔ تنظیم اسلامی کوئٹہ کے رفیق قاری شاہد اسلام بٹ نے پر سوز تلاوت سے قریبی ماحول کی سماعت کے ذوق کو جلا بخشی۔ جبل نور پر نازل ہونے والا یہ وہی کلام ربانی ہے جس کے ذریعے نبی اکرمؐ نے پوری کائنات کی کایا پلٹ کر رکھ دی تھی' یہ تو وہی پیغام

ہے جس کے بارے میں مولانا حالی نے کہہ رکھا ہے کہ

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا
وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

امیر تنظیم اسلامی کا طغرائے امتیاز یہی قرآنی دعوت ہے جو تنظیم اسلامی کی دعوت کی اساس و بنیاد، مبنی و مدار اور مرکز و محور ہے۔

"نغمہ مشروع" کی تلاوت کے بعد امیر محترم نے اہل سندھ کو خلافت کی نوید دینے کے لئے اپنے خطاب کا آغاز کیا۔ آپ نے فرمایا یہود اسلام کے نور توحید کو بجھانے کے درپے ہیں۔ اس کائنات کی غیر مرئی طاقت ابلیس لعین شر و فساد کا سرچشمہ ہے جبکہ مرئی اور نظر آنے والا شیطانی لشکر انسانوں پر مشتمل ہے اور گزشتہ دو ہزار سال سے شیطان کے سب سے بڑے ایجنٹ کا رول یہودی ادا کر رہے ہیں۔ امیر تنظیم اسلامی نے نبی اکرم ﷺ کی امتیازی شان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ آنحضور ﷺ کے علاوہ کوئی پیغمبر دین کو غالب نہ کر سکا جبکہ آنحضورؐ صرف داعی و مبلغ ہی نہیں تھے بلکہ بدر و حنین میں فوجوں کی سپہ سالاری بھی فرماتے تھے۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک کوئی رسول ایسا نہیں جسے پوری نوع انسانی کے لئے مبعوث کیا گیا ہو۔ یہ شان صرف آنحضور ﷺ کی ہے کہ آپ پوری نوع انسانی کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے۔ یہی وجہ کہ حضورؐ کی بعثت کا مقصد ہی اسلام کا عالمی غلبہ ہے۔ اس کے بغیر آپ کی بعثت کا مقصد شرمندہ تکمیل نہیں ہو سکتا۔۔۔ بقول شاعر

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

امیر تنظیم اسلامی نے کہا عوام کی اکثریت دین کی طرف پیش قدمی کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، جبکہ حکمرانوں نے الیکشن اور کرکٹ کے کھیل کے ذریعے پوری قوم کو غفلت سے دوچار کیا ہوا ہے۔ کرکٹ کی طرح پارلیمانی جمہوریت بھی انگریزوں کی وراثت ہے، جبکہ امریکہ میں رائج صدارتی نظام نہ صرف اسلام کے سیاسی نظام کے قریب تر ہے بلکہ انسانی عقل و فطرت سے بھی قریب تر ہے۔ انہوں نے کہا صدارتی نظام کے قیام کی دو بڑی رکاوٹیں ہیں یعنی موجودہ صوبے اور جاگیرداری نظام۔ جاگیرداری نظام کے خاتمے کے ذریعے بڑے بڑے مگرمچھوں کا احتساب خود بخود ہو جائے گا۔

رات ۸ بجے شروع ہونے والا خطاب گیارہ بجے کے بعد ختم ہوا تو میں سوچ میں پڑ گیا کہ خدا یا کیسا جذبہ' کتنی تڑپ اور کس قدر گہری وابستگی حاصل ہے ڈاکٹر صاحب کو اپنے مقصد اور اسلام کے انقلابی تصور پر مشتمل نظریئے کی اشاعت سے۔ محترم ڈاکٹر صاحب کا بڑھاپا اور بیماری اس لائق ہے کہ میرے جیسے سینکڑوں نہیں ہزاروں نوجوانوں کی جوانیاں اور تندرستیاں بھی ایسے بوڑھے باغبان پر فدا ہو جائیں تو بھی کوئی نسبت و تناسب قائم نہیں ہو سکے گا۔ امیر محترم کے خطاب کے بعد رفقاء و احباب کو کھانے کی دعوت عام دی گئی۔ ظہر کا کھانا بھی "محمود و ایاز" کی تفریق کے بغیر صلائے عام کی شان کا حامل تھا۔ یہ دعوت عام جناب غلام محمد سومرو کے جذبہ مہربانی کا پرخلوص مظاہرہ تھا۔ اللھم زد فزد۔ آمین۔

دوسرے دن کے پروگرام کا آغاز ڈاکٹر طاہر خان خاکوانی کے درس قرآن سے ہوا۔ ملتان کے زمیندار خاندان کا جدید تعلیم سے آراستہ و پیراستہ یہ نوجوان بھی ڈاکٹر اسرار کا ایک خوبصورت "شکار" ہے۔ امیر محترم دروس قرآن مجید کے چمن کے اس پھول کی خوشبو سے محظوظ ہونے کے لئے خود تشریف فرما تھے۔ قرب قیامت اور امام مہدی کے حوالے سے ڈاکٹر صاحب مدظلہ کی آراء پر مختلف حلقوں میں اک شور سا مچا ہوا ہے۔ محترم خاکوانی صاحب نے سورہ انبیاء کی ابتدائی آیات کے حوالے سے اس بے معنی ولایعنی شور و غوغے کی خوب خبر لی۔ انہوں نے علامہ اقبال کے اشعار کو جس خوبصورتی اور سلیقے سے اپنے درس قرآن میں سجا کر پیش کیا اس کی صدائے بازگشت خود امیر محترم کے خطاب میں کئی بار سنائی دی۔ ایسے ہی جسور و غیور جوانوں کے بارے میں علامہ نے کہا تھا کہ "محبت مجھے ان جوانوں سے ہے ستاروں پر جو ڈالتے ہیں کمند۔" امیر محترم کے شاگردوں میں ڈاکٹر طاہر خاکوانی' ڈاکٹر عبدالسمیع' مختار حسین فاروقی' رحمت اللہ بٹر' انجینئر نوید احمد' ڈاکٹر عارف رشید' محترم عبدالرزاق اور ڈاکٹر عبدالخالق جیسے کئی نوجوان شامل ہیں جو اگرچہ اب بڑھاپے کی دہلیز کو چھو رہے ہیں اس خوبصورت و خوشنما چمن کو دیکھ کر چمن کا باغبان کہہ سکتا ہے اور اسے یہ کہنے کا حق ہے کہ ؎

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے راز داں اور بھی ہیں

درس قرآن کے بعد ناشتے اور دیگر ضروریات سے فراغت اور تیاری کے لئے وقفہ ہوا۔ محترم اعجاز لطیف صاحب نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض انتہائی دلچسپ انداز میں ادا کئے۔ قرآنی آیات' احادیث رسول' عربی مقولات اور اردو اشعار سے مزین حکمت کے موتی بکھیرنے کا

انہیں خوب ڈھنگ آتا ہے۔

اجتماع کے دوسرے دن کے پروگراموں میں مرکزی رپورٹ کے اہم اور ضروری نکات تنظیم اسلامی کے نائب امیر ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے پیش کیے۔ علاوہ ازیں انہوں نے مرکزی ٹیم کا مختصر سا تعارفی جائزہ پیش کیا' نظام مشاورت کے خدوخال واضح کیے اور توسیعی مشاورت کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ ڈاکٹر عبدالخالق نے رفقاء پر زور دیا کہ وہ توسیعی مشاورت کی افادیت و اہمیت کا احساس کرتے ہوئے اس ضمن میں اپنی عدم دلچسپی کو دور کرنے کی شعوری کوشش کریں۔ امیر محترم کی دعوتی و تنظیمی سرگرمیوں سے رفقاء کو آگاہ کیا اور کہا کہ اس سال امیر محترم کے ۲۰۰ دن لاہور سے باہر صرف ہوئے۔ ناظم نشرواشاعت کی حیثیت سے شعبہ کی کارکردگی رپورٹ بھی رفقاء کے سامنے رکھی۔ بعدازاں ناظم اعلیٰ جناب عبدالرزاق صاحب نے مرکزی حلقہ جات کی رپورٹ کے اہم نکات کا اجمالی جائزہ رفقاء کے سامنے رکھا۔ اعداد و شمار بتا رہے تھے کہ ہمارے قدم سست رفتار ہی سے سہی مگر آگے بڑھ رہے ہیں۔ ان کے بعد ناظم تربیت جناب رحمت اللہ بٹر نے اپنے شعبہ کی نہایت ہی مختصر مگر مکمل رپورٹ پیش کی۔ ناظم اعلیٰ بیرون پاکستان ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب نے امریکہ' کینیڈا' فرانس اور دیگر علاقوں پر مشتمل بیرون پاکستان کی رپورٹ پیش کی جبکہ حلقہ خواتین کی رپورٹ محترم ڈاکٹر عبدالخالق صاحب نے پڑھ کر سنائی۔ آدھ گھنٹے کے لئے چائے کا وقفہ ہوا اور وقفے کے خاتمے کے بعد رفقاء پھر سے اجتماع گاہ میں جمع ہوئے۔

وقفے کے بعد کی نشست میں سب سے پہلے حلقہ پنجاب جنوبی کے ناظم جناب مختار حسین فاروقی نے دین و مذہب کے فرق کو انتہائی مدلل اور خطیبانہ انداز میں بڑی روانی کے ساتھ واضح کیا۔ انہوں نے کہا مذہب ایک جزوی جبکہ دین کلی حقیقت کا نام ہے۔ اسلام کے علاوہ دنیا کے کسی اور مذہب کے پاس اجتماعی زندگی کا نظام سرے سے موجود نہیں ہے' بلکہ ان مذاہب کی تعلیمات تو انسان کی انفرادی زندگی کا بھی پوری طرح احاطہ کرنے سے قاصر ہیں۔ محترم فاروقی صاحب نے کہا کہ دنیا کو ایک عالمگیر دین یعنی نظام کی ضرورت تھی اور ہے جسے یہود اور عیسائی دنیا کے گٹھ جوڑ نے "سیکولرازم" کی شکل میں پوری دنیا میں رائج کر رکھا ہے۔ اس یہودی بلکہ شیطانی نظام کو ختم کر کے ہی دین اسلام کا غلبہ ہو سکتا ہے۔ فاروقی صاحب کے بعد اگلے مقرر جناب قاری شاہد اسلام بٹ تھے۔ عشق رسولؐ کے تقاضے' ان کا موضوع تھا۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم سے اللہ محبت کرے تو بھی اور اگر ہم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہیں

تب بھی حضور اکرم ﷺ کی پیروی اور اتباع کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے۔ حضورؐ کے مقصد زندگی کو اپنا نصب العین بنانا ہی عشق رسول ﷺ کا حقیقی تقاضا ہے۔ اگر ہمارا ہدف اور مقصد سیرت نبویؐ کا اتباع نہیں تو پھر محض چھوٹی چھوٹی سنتوں پر عمل کر کے مطمئن ہو جانا کفایت نہیں کرے گا۔ دنیا و آخرت میں کامیابی و فلاح کا راستہ تو یہ ہے کہ ؎

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

پاکستان کی مروجہ سیاست اور تنظیم اسلامی' کے موضوع پر گفتگو کے لئے نائب امیر تنظیم جناب ڈاکٹر عبدالخالق تشریف لائے۔ انہوں نے کہا کہ سیاست کا لفظ انتہائی بدنام ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس کے ساتھ دغابازی' فریب کاری کے تصورات لازم و ملزوم کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ ہماری سیاست جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا ایک مشغلہ اور کھیل بن کر رہ گئی ہے۔

انہوں نے کہا سیاست صرف انتخابات میں حصہ لینے کا نام ہی نہیں ہے بلکہ نظام کی تبدیلی کی جدوجہد ہی حقیقی سیاست ہے جسے ہم انقلابی سیاست سے تعبیر کرتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالخالق نے دو ٹوک الفاظ میں کہا کہ مفادات کی حامل انتخابی سیاست اور اقتدار کی جنگ میں تنظیم اسلامی کبھی شریک نہیں ہوگی۔ محض رہنماؤں اور قائدین کو مطعون کرتے رہنے کی بجائے عوام کی اصلاح اور بھلائی کی فکر بھی ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ عامۃ الناس اور قائدین دونوں کی خیرخواہی ہی میں بھلائی پوشیدہ ہے۔ نماز ظہر کی ادائیگی اور کھانے کے لئے نماز مغرب سے قبل تک وقفہ رہا۔ مگر یہ بات تو اجتماع گاہ کی حد تک محدود تھی۔ امیر تنظیم اسلامی نے اس دوران گورنمنٹ کالج سکھر میں طلباء و اساتذہ کے مشترک اجتماع سے خطاب فرمایا۔ خطاب کا دورانیہ تقریباً ایک گھنٹہ تھا۔

ساڑھے تین بجے سہ پہر مقامی ہوٹل میں پریس کانفرنس منعقد ہوئی جس میں امیر محترم مدظلہ کے ہمراہ نائب امیر ڈاکٹر عبدالخالق' ناظم حلقہ جناب سید نسیم الدین' جناب عبدالمجید شیخ' محمد رضوان نور اور راقم نے شرکت کی۔ امیر محترم نے ملکی اور بین الاقوامی صورت حال کا تجزیہ کیا اور صحافیوں کے پوچھتے ہوئے سوالوں کے مسکت و مدلل جوابات دیئے۔ بعد نماز عصر جناب نسیم الدین نے جو کہ اجتماع کے ناظم بھی تھے' شرکاء اجتماع سے مختصر خطاب کیا۔ بعد نماز مغرب جناب غلام محمد سومرو نے امیر محترم کے تین گھنٹے پر مشتمل خطاب کا جامع خلاصہ سندھی زبان میں بڑی مہارت کے ساتھ پیش کیا۔ اسرہ وادو کے نقیب جناب ڈاکٹر علی خان لغاری نے

اپنا ایمان افروز اور دلچسپ تعارف کرایا۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر اسرار احمد کے انقلابی فکر نے مجھے اپنی جانب کھینچ لیا اور بالآخر میں تنظیم اسلامی کے قافلے میں شریک ہو گیا۔ انہوں نے بڑی اہم اور کانٹے کی بات بھی بر سر محفل صاف الفاظ میں کہہ دی کہ اسلام پر چلنے کے لئے رزق حلال کا حصول بہت ضروری ہے۔ لغاری صاحب نے کہا "وہ آدمی جو رزق حلال پر قناعت نہ کر سکے وہ اللہ' اس کے رسولؐ اور دین اسلام کی کیا خدمت کر سکتا ہے۔ گورنمنٹ کی ملازمت کے ساتھ پرائیویٹ میڈیکل پریکٹس بھی جاری رہے اور لوگوں کو دین کی طرف دعوت بھی دی جاتی رہے' ایسا کرنا درست نہ تھا لہٰذا میں نے سرکاری ملازمت کو خیرباد کہہ دیا' مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رزق کے دروازے اسی طرح کھول رکھے ہیں جیسے پہلے تھے۔ میرے رزق میں کوئی کمی نہیں آئی"۔ شاید ایسے ہی لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ؎

نہ دنیا سے نہ دولت سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

بعد ازاں جناب عبدالرحمٰن غوث نے اپنا تعارف کروایا۔ موصوف ناروے میں اسلام کے انقلابی فکر کی اشاعت کے لئے اپنی سی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ نماز عشاء کی ادائیگی کے لئے وقفے کا اعلان کیا گیا۔

نماز کی ادائیگی کے بعد رفقاء و احباب امیر محترم کا خطاب سننے کے لئے ذہنی اور قلبی ہر دو لحاظ سے پوری طرح تیار ہو چکے تھے۔ حسب معمول قاری شاہد اسلام نے قرآن مجید کی آیات بینات کی تلاوت سے محفل کو چار چاند لگا دیئے۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے دوسرے روز کے خطبات خلافت کا آغاز فرماتے ہوئے کہا کہ ووٹوں کی بھیک اور میٹھی میٹھی تبلیغ سے دین کا غلبہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ حرام مال کو قبول نہیں کرتا۔ چنانچہ پاک نفوس کا پاکیزہ خون ہی اللہ کے راستے میں قبول ہو گا۔ انہوں نے کہا مادی مفاد اور دنیاوی لالچ کے بغیر نظم کی پابندی اختیار کرنا دنیا کا مشکل ترین کام ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ہمت زیادہ ہو تو کم قوت سے بھی مشکل کام کیا جا سکتا ہے' لیکن اگر ہمت کم ہو تو زیادہ قوت سے بھی کوئی کام سرانجام نہیں دیا جا سکتا۔ دین کے قیام کے لئے نظم جماعت اور طریق کار کی وضاحت امیر تنظیم نے بھرپور طریقے سے کی۔

تیسرے اور آخری دن کے پروگراموں کا آغاز بعد نماز فجر اعجاز لطیف صاحب کے درس قرآن سے ہوا' جس کے بعد حسب معمول وقفہ ہوا۔ ۹ بجے رفقاء اجتماع گاہ میں جمع ہوئے۔

جناب عبدالمجید شیخ نے اپنی پر سوز اور مدھم سروں والی آواز کے ساتھ ایک درد بھری نظم سنائی۔

قوموں نے ابھرنا سیکھ لیا، ہم ہوش میں آنا بھول گئے
اپنوں کو مٹانا سیکھ لیا، باطل کو مٹانا بھول گئے
جو درس شہ بطحا نے دیا وہ پڑھنا پڑھانا بھول گئے

بعد ازاں سوال و جواب پر مبنی نشست ہوئی۔ امیر محترم نے تمام سوالوں کے خوبی سے جوابات دیئے۔ چائے کے وقفہ کے بعد حسب پروگرام ناظم اعلیٰ جناب عبدالرزاق نے "آئندہ تنظیمی سال کے اہداف کا تعین" کے موضوع پر ایمان افروز خطاب کیا۔ انہوں نے رفقاء کو یاد دلایا کہ ہماری ذمہ داری بڑی اہم مگر کٹھن ہے۔ ایک جانب دین کی دعوت ایک اعزاز ہے تو دوسری جانب ایک بھاری ذمہ داری۔ لہٰذا ہمیں یہ بات ہر وقت اپنے سامنے رکھنی چاہئے کہ ع

جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے

انہوں نے کہا اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے قدم آگے بڑھائیں اور ضلعی سطح پر ہر حلقہ کم از کم تین اضلاع تک دعوتی پیغام کو عام کرے۔ اہداف و مقاصد کی وضاحت کے بعد رفقاء سے ہفت روزہ بنیادوں پر دعوتی کام کے لئے وقت دینے کا مطالبہ کیا گیا، جسے رفقاء نے بھرپور طریقے سے پورا کر دیا۔ اور اپنے ارادوں سے اپنے ذمہ دار حضرات کو آگاہ کر دیا۔ گویا سب کہہ رہے تھے کہ ساتھیو! مشعلوں کو تیز کرو۔

سکھر میونسپل سٹیڈیم میں منعقدہ اجتماع کا اختتامی لمحہ آن پہنچا۔ امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد، رفقاء سے اختتامی خطاب کے لئے تشریف لائے۔ ڈاکٹر صاحب نے حسب پروگرام اجتماع منعقد ہونے پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ہمیں تنظیم کے استحکام کو اولیت دینا ہوگی جبکہ اس کی توسیع کا کام اس کے بعد کی شے ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا اللہ تعالیٰ کی مدد کے حصول کا یقینی طریقہ اس کے دین کی مدد و نصرت ہے۔ ہر ساتھی ایمان، توکل، انفاق مال اور وقت کے ضمن میں کمی اور کوتاہی کا جائزہ لے اور اللہ تعالیٰ سے اپنی اس کوتاہی پر استغفار کرے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا سکھر شہر ایک دور میں میری کافی آمد و رفت رہی ہے۔ یہاں میں میری محنتوں کا "دفینہ" دفن ہے۔ اس دفینے کو نکالنے کے لئے مقامی رفقاء کی سخت محنت درکار ہے۔ اسی خطاب پر یہ اجتماع ختم ہو گیا اور رفقاء و احباب نے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔

اشاریہ ماہنامہ "میثاق"

جنوری ۱۹۹۶ء تا دسمبر ۱۹۹۶ء (جلد ۴۵)

مرتب : محبوب الحق عاجز

○

حقیقت و حکمت دین

ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا

قتل مرتد--- عقلی جواز (۱) — جنوری ۹۶ء — ص ۵۵

قتل مرتد--- عقلی جواز (۲) — فروری ۹۶ء — ص ۴۱

اسرار احمد، ڈاکٹر

روزہ و تراویح۔ غرض وغایت — جنوری ۹۶ء — ص ۲۲

محمد ناصر الدین الالبانی، علامہ

کفر و گمراہی اور صراط مستقیم — ستمبر ۹۶ء — ص ۳۵

اسلامی نظام حیات

اسرار احمد، ڈاکٹر

عہد حاضر میں نظام خلافت کا دستوری، قانونی اور سیاسی ڈھانچہ اور اس کے نفاذ کا طریق کار (۱) — فروری ۹۶ء — ص ۵

عہد حاضر میں نظام خلافت کا دستوری، قانونی اور سیاسی ڈھانچہ اور اس کے نفاذ کا طریق کار (۲) — مارچ ۹۶ء — ص ۵

بیگم ڈاکٹر عبدالخالق

تہذیب الاطفال (۳) — اگست ۹۶ء — ص ۷۳

تہذیب الاطفال (۴) — ستمبر ۹۶ء — ص ۷۱

عبدالسمیع' ڈاکٹر

اسلام کا معاشرتی نظام — جنوری ۹۶ء — ص ۲۹

عبداللہ شاہین' پروفیسر

نکاح' طلاق اور حلالہ — فروری ۹۶ء — ص ۲۷

دعوت و تحریک

اسرار احمد' ڈاکٹر

تحریک اسلامی کا تنظیمی ڈھانچہ---یا چناں کن یا چنیں! — اپریل ۹۶ء — ص ۵
خالص دینی تحریک سے علیحدگی — اپریل ۹۶ء — ص ۲۱
اسلامی نظم جماعت میں بیعت کی اہمیت — ستمبر ۹۶ء — ص ۵
انجمن کے بعد تحریک کیوں؟ — جون ۹۶ء — ص ۲۹
سرحد سے ایک خط' اور امیر تنظیم کا جواب — فروری ۹۶ء — ص ۵۱

عاکف سعید' حافظ

مذہبی جماعتوں کے باہمی تعاون کے ضمن میں تنظیم اسلامی کی مساعی — دسمبر ۹۶ء — ص ۴۱

عبدالغفار حسن' مولانا

بدگمانی یا غلط بیانی؟ — نومبر ۹۶ء — ص ۴۱

نوید احمد' انجینئر

منہج انقلاب نبویؐ ---اعتراضات اور جوابات — مارچ ۹۶ء — ص ۲۴
اسلامی انقلاب کا آخری مرحلہ — اگست ۹۶ء — ص ۳۸

ملکی و ملی اور سیاسی امور

اسرار احمد' ڈاکٹر

امریکی معاشرے کے نئے رجحانات (۲) — جنوری ۹۶ء — ص ۵
موجودہ ملکی و ملی حالات کے بارے میں امیر تنظیم اسلامی کا تبصرہ — جنوری ۹۶ء — ص ۲۰
گرفتہ چینیاں احرام و کمی خفتہ در بطحا (خطاب جمعہ) — اپریل ۹۶ء — ص ۲۹
پاکستان کے موجودہ حالات کا ماضی کے دو بحرانی ادوار سے تقابل — اگست ۹۶ء — ص ۵
پاکستان انقلاب کے دہانے پر؟ (خلاصہ خطاب جمعہ) — اکتوبر ۹۶ء — ص ۵
دورۂ ایران---تاثرات و مشاہدات — دسمبر ۹۶ء — ص ۵

اقبالیات

خالد محمود خضر، حافظ

مسئلہ اجتہاد کے ضمن میں علامہ اقبال کی ایک اہم غلط فہمی اور اس کی اصل بنیاد — اگست ۹۶ء — ۴۷

عاکف سعید، حافظ

حیات اقبال کا ایک گم شدہ ورق (۱) — جون ۹۶ء — ص ۷

حیات اقبال کا ایک گم شدہ ورق (۲) — جولائی ۹۶ء — ص ۲۵

افکار و آراء

طیبہ یاسمین

مجھے اکثر خیال آتا ہے — فروری ۹۶ء — ص ۷۸

سچائی — اپریل ۹۶ء — ص ۷۶

ناک کٹنے کا مسئلہ — اپریل ۹۶ء — ص ۷۹

انوار الحدیث — اکتوبر ۹۶ء — ص ۷۹

حسن کا راز — نومبر ۹۶ء — ص ۷۹

محمد سمیع

چراغ طور جلاؤ بڑا اندھیرا ہے — جنوری ۹۶ء — ص ۷۴

میم سین

رمضان المبارک اور ہم — فروری ۹۶ء — ص ۷۵

مظہر علی ادیب

گھریلو عورت اور معاشرہ — مارچ ۹۶ء — ص ۷۳

نجیب صدیقی

شاکلہ — جنوری ۹۶ء — ص ۷۷

نگہت حامد

پاکستانی حوا زادیوں کے نام — مارچ ۹۶ء — ص ۷۱

کتابیات

اسرار احمد، ڈاکٹر

تقدیم بر "مقدمہ الخلافۃ الکبریٰ"	جولائی ۹۶ء	ص ۸
(مولانا عبدالحی فاروقی کی تفسیر سورۃ البقرہ)		
تقدیم بر "انوار القرآن"	جولائی ۹۶ء	ص ۱۳

شاہد احمد

تعارف انوار القرآن	جولائی ۹۶ء	ص ۱۹

شبیر بن نور، ابو عبدالرحمٰن

نفاق کی نشانیاں (۱)	جنوری ۹۶ء	ص ۴۵
نفاق کی نشانیاں (۲)	فروری ۹۶ء	ص ۶۵
نفاق کی نشانیاں (۳)	مارچ ۹۶ء	ص ۵۹
نفاق کی نشانیاں (۴)	جون ۹۶ء	ص ۳۵
نفاق کی نشانیاں (۵)	اگست ۹۶ء	ص ۶۵
نفاق کی نشانیاں (۶)	ستمبر ۹۶ء	ص ۵۱

تاریخ پاکستان

اسرار احمد، ڈاکٹر

پاکستانی سیاست کا پہلا عوامی و ہنگامی دور		
باب ۱ : فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کا زوال	مئی ۹۶ء	ص ۷
اور ذوالفقار علی بھٹو کے سیاسی کیریئر کا آغاز		
باب ۲ : جنرل محمد یحییٰ خان کا مارشل لاء	مئی ۹۶ء	ص ۵۱
باب ۳ : مری تعمیر میں مضمر تھی کچھ صورت خرابی کی	مئی ۹۶ء	ص ۶۱
باب ۴ : "حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں"	مئی ۹۶ء	ص ۷۴
باب ۵ : دائیں اور بائیں بازوؤں کی تقسیم اور	جون ۹۶ء	ص ۴۲
"Civilian Coup Détat"		
باب ۶ : تحریک پاکستان کی وراثت اور مذہبی رومانویت	جون ۹۶ء	ص ۵۷
باب ۷ : "دیکھ کعبے میں شکست رشتہ تسبیح شیخ"	جولائی ۹۶ء	ص ۴۲

باب۸ : پاکستان کی مذہبی سیاست کا نیا ہدف
"برسراقتدار طبقہ" کی بجائے "سوشلزم" — جولائی ۹۶ء — ص ۴۸
باب۹ : "..... وقت دعا ہے!" — جولائی ۹۶ء — ص ۵۵
باب۱۰ : ۶۹ء سے ۷۱ء تک پاکستان کی سیاست کی افراتفری کا اندوہناک نتیجہ : مشرقی پاکستان کی علیحدگی — جولائی ۹۶ء — ص ۵۷

تذکرو تدبر

اسرار احمد، ڈاکٹر

مہدی موعود کی شخصیت — اکتوبر ۹۶ء — ص ۷

وصی مظہر ندوی، مولانا سید

کیا موجودہ مسلمان حکومتیں "الجماعہ" ہیں؟ — اپریل ۹۶ء — ص ۶۶
کیا مسلمانوں کی ہر حکومت "الجماعہ" ہے؟ — دسمبر ۹۶ء — ص ۵۱

اتحاد بین المسلمین

اہمیت، تاریخی پس منظر اور عملی تجاویز — اکتوبر ۹۶ء — ص ۹

رفتار کار

مرکزی رپورٹ تنظیم اسلامی پاکستان
(مرتب : ڈاکٹر عبدالخالق) — اکتوبر ۹۶ء — ص ۲۹
کارکردگی رپورٹ تنظیم اسلامی پاکستان
(مرتب : جناب عبدالرزاق) — اکتوبر ۹۶ء — ص ۳۷
رپورٹ شعبہ نشرواشاعت تنظیم اسلامی پاکستان
(ادارہ) — اکتوبر ۹۶ء — ص ۶۵
رپورٹ تربیتی نظام
(مرتب : چوہدری رحمت اللہ بٹر) — اکتوبر ۹۶ء — ص ۶۹
رپورٹ تنظیم اسلامی حلقہ خواتین
(مرتبہ : بیگم شیخ رحیم الدین) — اکتوبر ۹۶ء — ص ۷۱

سالانہ رپورٹ تنظیم اسلامی بیرون پاکستان (مرتب : ڈاکٹر عبد السمیع)	نومبر۹۶ء	ص۴۹
تنظیم اسلامی کا اکیسواں سالانہ اجتماع (مرتب : محبوب الحق عاجز)	اکتوبر۹۶ء	ص۵۳

روداد سفر

عبد الخالق' ڈاکٹر

امیر تنظیم اسلامی کا چھ روزہ دورۂ ایران	نومبر۹۶ء	ص۶۵

تعلیم و تعلّم

محمد رفیع الدین (مرحوم)' ڈاکٹر

صحیح نظام تعلیم اور پاکستان	ستمبر۹۶ء	ص۵۹

عرض احوال

ادارتی صفحہ پر ہر ماہ حافظ عاکف سعید صاحب کی تحریر "عرض احوال" کے عنوان سے شائع ہوتی رہی ہے۔

ضرورت رشتہ

مجھے دو بیٹیوں کے لئے رشتے درکار ہیں۔ عمریں ۲۰ اور ۱۸ سال---ایک ایف۔ ایس سی (میڈیکل) کے بعد ایل۔ ایچ۔ وی فائنل کی طالبہ ہے۔ اور شریک حیات سے مل کر لاہور یا مضافات میں گائنی ہسپتال چلانا چاہتی ہے۔ جبکہ دوسری گریجویشن کر رہی ہے۔

رابطہ کے لئے : پروفیسر عبد اللہ شاہین علوی' پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج' حافظ آباد

فون : دفتر 521033' گھر 520554, 521665 (0438)

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS
NTN
BEARINGS

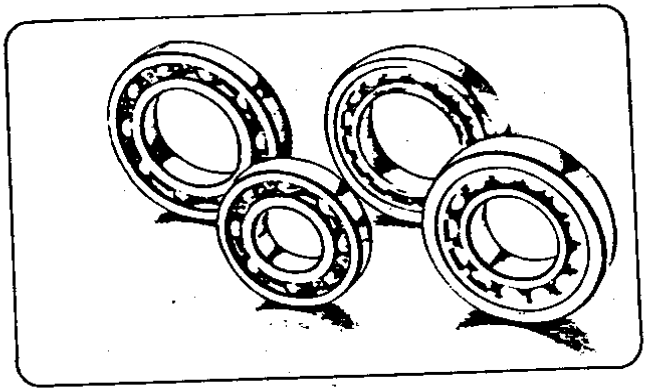

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE :
(Opening Shortly)
Amin Arcade 42,
Brandreth Road, Lahore-54000
Ph : 54169

GUJRANWALA :
1-Haider Shopping Centre, Circular Road,
Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Reg. No. L 7360
Vol. 45 No.12
Dec. — 1996

Quarterly Journal of the Qur'an Academy

The Qur'anic Horizons

Patron: Dr. Israr Ahmad

October-December issue is now available!

CONTENTS

☞ Understanding *Jihad* (Editorial)
☞ Historical Overview of the Execution of Iqbal's Thought *(By Dr. Israr Ahmad)*
☞ Importance of the Prohibition of *Riba* in Islam *(By Imran N. Hosein)*
☞ The Concept of Organization in Islam with Special Reference to the Institution of *Baiy'ah (By Dr. Israr Ahmad)*

Send Orders to:

Markazi Anjuman Khuddam-ul-Qur'an Lahore
36-K, Model Town, Lahore-54700
Phone: 5869501-3 Fax:5834000 E-Mail: anjuman@paknet1.ptc.pk